علم کے منفی اثرات
تالیف
سید الحفاظ والمورخین، امام الجرح والتعدیل، شمس الدین ذہبی
تعلیقات
شیخ الاسلام، محقق جلیل، امام محمد زاہد الکوثری
سرپرستی وملاحظہ
بحر العلوم، محدث کبیر حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ
مترجم ومحشی
محمد انوار خان قاسمی بستوی
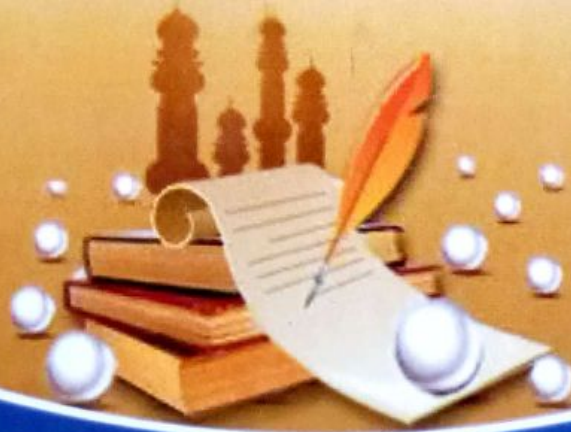
علم کے منفی اثرات

تالیف

سید الحفّاظ والمؤرِّخین، امام الجرح والتعدیل، شمس الدین ذہبیؒ

ولادت:۶۷۳ ہجری، ۱۲۷۴عیسوی، وفات:۷۴۸ ہجری، ۱۳۴۸عیسوی

تعلیقات

شیخ الاسلام، محققِ جلیل، امام محمد زاہد الکوثریؒ

ولادت:۱۲۹۶ہجری، ۱۸۷۹عیسوی، وفات:۱۳۷۱ہجری، ۱۹۵۲عیسوی

مترجم و محشی

محمد انوار خان قاسمی بستوی

(ڈائریکٹر انڈو عرب ملٹی لنگول سینٹر، وایڈیٹر اسلامک لٹریچر ریویو)

Published by

Islamic Research and Education Trust

Shahre Tayyib, Behind Eidgah, Qasimpura Road, Deoband, Saharanpur, UP, India, Pin: 247554, Website: www.deobandcenter.com, Email: deobandcenter@gmail.com, Cell: +91 888 111 5518

In association with

Maktaba Sautul Qur'an

Madani Market, Near Darul Uloom, Deoband, 247554, Email: faizulhasanazmi@gmail.com

نام کتاب: علم کے منفی اثرات
تالیف: شیخ الاسلام، محقق جلیل، امام محمد زاہد الکوثریؒ
مترجم و محشی: محمد انوار خان قاسمی بستوی
ای میل: anwarkhanqasmi@gmail.com
صفحات: ۷۲
تعداد: ۱۱۰۰
پہلا ایڈیشن: ۲۰۱۴
سن اشاعت: ---------------- ۲۰۱۴م ۱۴۳۵ھ
قیمت: ۴۰ روپے
کمپوزنگ: انڈو عرب ملٹی لنگول سینٹر، شہر طیب، عقب عید گاہ، دیوبند

ناشر
اسلامک ریسرچ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ
قاسم پورہ روڈ، شہر طیب، عقب عید گاہ، دیوبند، ٹیلیفون: ۰۱۳۳۶ ۲۲۲ ۵۵۷
مع اشتراک
مکتبہ صوت القرآن، دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی، موبائل: ۹۳۵۸۹ ۱۱۰۵۳

ملنے کے پتے
مکتبہ امام کوثری، قاسم پورہ روڈ، شہر طیب، عقبِ عید گاہ، دیوبند، موبائل: ۷۴۱۷۷ ۲۱۱۷۱
مکتبہ صوت القرآن، مدنی مارکیٹ، نزدِ دار العلوم، دیوبند، موبائل: ۹۳۵۸۹ ۱۱۰۵۳
اسلامک ریسرچ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ، شہر طیب، عقبِ عید گاہ، دیوبند، موبائل: ۰۱۳۳۶ ۲۲۲ ۵۵۷

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر

حرفِ آغاز

علم خدا کی بارگاہ میں حصولِ قربت کا عظیم ترین وسیلہ اور انتہائی بابرکت راستہ ہے۔ علم اور علماء کی اہمیت کو قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے {إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ} فاطر:۲۸ کے ذریعہ ہمیشہ کے لیے اعلی وارفع بنادیا ہے۔ اسی طرح سے ایک مشہور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ [1] (یعنی طلبِ علم ہر مسلمان

---

(۱) اکثر متقدمین جیسے امام احمدؒ، ابن عبد البرؒ، عقیلیؒ، ابن عدیؒ، ابن حبانؒ، بیہقیؒ، بزارؒ، ہیثمیؒ، ذہبیؒ، ابن الجوزیؒ، عراقیؒ، نوویؒ اور ابن القطان فاسیؒ وغیرہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔ جب کہ متاخرین میں سے امام سیوطیؒ، حافظ سخاویؒ، اور علامہ غماریؒ وغیرہ نے کثرتِ طرق کی وجہ سے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب جمع الجوامع ج۵ ص۵۲۴ میں ذکر کرنے کے بعد دیگر بہت سے مخرجین کا حوالہ دیا ہے جو قابلِ ملاحظہ ہے۔ اسی طرح سے محدث عبد الرؤف مناویؒ نے فیض القدیر ج۴ ص۲۶۷ پر امام سیوطیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: جمعت له خمسين طريقا وحكمت بصحته لغيره، ولم أصحح حديثًا لم أسبق لتصحيحه سواه (یعنی میں نے اس حدیث کے پچاس طرق جمع کئے ہیں، اور اس کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ یہ واحد حدیث ہے جس کی میں نے تصحیح کی ہے اور مجھ سے پہلے اس کی کسی اور نے تصحیح نہیں کی ہے۔) حافظ سخاویؒ نے المقاصد الحسنة ص ۲۷۶ پر اس بات کی صراحت کی ہے کہ امام الحفاظ ابو الحجاج مزیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث کثرتِ طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے، اور اسی طرح سے امام عراقیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ بعض حفاظِ حدیث نے اس حدیث کے بعض طرق کی تصحیح کی ہے۔

یاد رہے بہت سے علماء اور مصنفین اپنے خطبات وبیانات، اور اسی طرح سے تصانیف میں اس حدیث کے آخر میں "وَمُسْلِمَة" کا اضافہ کردیتے ہیں؛ لیکن متن حدیث میں یہ لفظ کسی بھی طریق میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ یہ ایک الحاق ہے، اور اس سے اجتناب ضروری ہے، اگرچہ حدیث کا معنی اس الحاق سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں المقاصد الحسنة ص ۲۷۷

پر فرض ہے۔) دنیا کی دیگر قوموں کے نزدیک حصولِ علم محض ایک انسانی اور سماجی حق ہے؛ لیکن اسلام نے اسے ہر شخص پر فرضِ عین قرار دیا ہے۔ کسی مسلم مفکر نے اس حدیثِ نبوی کی روشنی میں بڑا عمدہ تبصرہ کیا ہے کہ اپنے حق سے انسان دستبردار ہو سکتا ہے؛ لیکن فرض سے دستبردار نہیں ہو سکتا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں دیگر قوموں کی بنسبت علم کی زیادہ اہمیت ہے۔

دراصل علم کے اتنے فضائل ہیں کہ یہاں اس مختصر رسالہ میں اس کا احاطہ مشکل ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن ہے۔ علم ہی وہ طاقتور کلید ہے جس کے ذریعہ انسان اسرارِ کائنات کا اکتشاف کرتا ہے اور خدا کی مخلوقات میں پنہاں حقائق کی کنہ تک پہونچتا ہے، اور پھر خالق و مخلوق کے اٹوٹ رشتہ کی گہرائی تک پہونچ کر منزلِ مقصود حاصل کرلیتا ہے۔ علم کے ذریعہ ایک مومن اپنے رب کی صفاتِ عظیمہ کی عظمتوں اور گیرائیوں تک رسائی حاصل کرکے عبودیت کے اس بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے جس کے بعد انسانی بلندی کا کوئی اور تصور باقی نہیں رہتا۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی اس آیت: {يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ} مجادلہ:۱۱ میں اسی جانب اشارہ کیا ہے۔

علماء کو حدیث شریف میں انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: العلماء ورثة الأنبياء سنن ترمذی برقم:۲۶۸۲ (یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔) اگر غور کیا جائے تو علماء کئی طرح سے انبیاء کے وارث نظر آتے ہیں جن میں سب سے اہم پہلو علم کا ہے۔

تاہم جو لوگ علم شرعی کو غیر اللہ کے لئے طلب کرتے ہیں، اور ان کی منزل خدا کی خوشنودی نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کا مطمح نظر مادہ اور دنیوی اغراض ہوتے ہیں، تو پھر اس طرح کے لوگوں کو علماءِ دین نہیں؛ بلکہ علماءِ دنیا اور فقہاءِ دولت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس منحوس مقصد کے تحت حاصل کیا گیا علم ایک طالب علم اور عالم کے لیے وبال بن جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک مشہور روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

يَعْنِي رِيحَهَا۔ مستدرک حاکم ج۱ص۱۵۰ حدیث نمبر ۲۸۸ (یعنی جو شخص غیر اللہ کے لیے حصولِ علم کرتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ دنیوی اغراض حاصل کرے، تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔) اسی طرح سے حاکمؒ نے مستدرک میں حدیث نمبر ۸۶۳۵، دارمیؒ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۹۱ اور دیگر محدثین نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل فرمایا ہے: ''كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَةٌ، يَرْبُو فِيهَا الصَّغِيرُ، وَيَهْرَمُ الْكَبِيرُ، وَتُتَّخَذُ سُنَّةٌ مُبْتَدَعَةٌ يَجْرِي عَلَيْهَا النَّاسُ، فَإِذَا غُيِّرَ مِنْهَا شَيْءٌ، قِيلَ: قَدْ غُيِّرَتِ السُّنَّةُ، قِيلَ: مَتَى ذَلِكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالَ: إِذَا كَثُرَ قُرَّاؤُكُمْ وَقَلَّ فُقَهَاؤُكُمْ، وَكَثُرَ أُمَرَاؤُكُمْ وَقَلَّ أُمَنَاؤُكُمْ، وَالْتُمِسَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ، وَتُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّينِ.'' (یعنی تمھاری حالت اس وقت کیسی ہوگی جب تمھیں ایسے فتنے گھیر لیں گے جو بچے کو جوان اور جوان کو کھوسٹ بنادیں گے۔ بدعت کے طریقے اپنا لئے جائیں گے جس کی لوگ تقلید کریں گے، اور جب اسے مٹانے کی کوشش کی جائے گی، تو لوگ یہ کہیں گے کہ اس طریقہ کو کیوں مٹایا جارہا ہے۔ سوال کیا گیا: اے ابو عبد الرحمن، ایسا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب تمھارے درمیان قراء کی کثرت اور فقہاء کی قلت ہوجائے گی، اور حکمرانوں کی کثرت اور ایماندار لوگوں کی تعداد کم ہوجائے گی۔ آخرت کے عمل سے دنیا طلبی کی جائے گی، اور لوگ دینی علوم کا حصول کسی اور غرض سے کرنے لگیں گے۔) اسی طرح سے امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۳۱۵۴ حضرت ابو سعد بن فضالہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِذَا جَمَعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ، نَادَى مُنَادٍ: مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ'' (یعنی قیامت کے دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں، جب اللہ رب العزت تمام لوگوں کو جمع فرمائیں گے تو اس وقت ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرے گا کہ جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنے عمل میں شریک ٹھہرایا ہو تو وہ اس کا ثواب کسی اور سے طلب کرلے، کیوں کہ اللہ کی ذات اس طرح کے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ تصحیح نیت اعمال کی جان اور اساس ہے۔ صدقِ نیت کی غیر معمولی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے امام المحدثین، حافظ الدنیا، امیر المومنین فی الحدیث، امام بخاری۔ نور اللہ مرقدہ۔ نے اپنی صحیح کا آغاز مشہور حدیث إنَّمَا الأعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ سے فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباري ج ۱ ص ۳۳ میں فرماتے ہیں: وَقَدْ تَوَاتَرَ النَّقْلُ عَنِ الْأَئِمَّةِ فِي تَعْظِيمِ قَدْرِ هَذَا الْحَدِيثِ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: لَيْسَ فِي أَخْبَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ أَجْمَعَ وَأَغْنَى وَأَكْثَرَ فَائِدَةً مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ وَاتَّفَقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَالشَّافِعِيُّ فِيمَا نَقَلَهُ الْبُوَيْطِيُّ عَنْهُ وَأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَحَمْزَةُ الْكِنَانِيُّ عَلَى أَنَّهُ ثُلُثُ الْإِسْلَامِ (اس حدیث کی غایتِ عظمت سے متعلق ائمہ کرام کے اقوال تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ابو عبد اللہؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ سے منقول احادیث میں اس سے زیادہ جامع، پر مغز اور نافع حدیث کوئی بھی نہیں ہے۔ عبد الرحمن بن مہدیؒ، امام شافعیؒ جیسا کہ بویطیؒ نے آپ سے نقل کیا ہے، اور اسی طرح سے احمد بن حنبلؒ، علی ابن المدینیؒ، ابو داوٗدؒ، ترمذیؒ، دار قطنیؒ اور حمزہ کنانیؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ثلث اسلام ہے۔)

در اصل ہمیشہ شیطان اس طاق میں رہتا ہے کہ اہلِ حق کو صحیح راستہ سے موڑ دے۔ آفاتِ قلب اور غوائلِ نفس ہمیشہ گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اسی لیے متقدمین اور متاخرین میں سے متعدد کبارِ علماء نے اپنی تصانیف کے ضمن میں اس پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے جیسا کہ حارث محاسبیؒ اور امام غزالیؒ وغیرہ نے اپنی متعدد تصانیف میں اس موضوع پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔ امام ابن الجوزیؒ جیسے حافظِ حدیث نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے تحریر کی۔ اس وقت اس موضوع پر سب سے مفصل اور مدلل کتاب ابن الجوزیؒ کی ہی مانی جاتی ہے۔ اسی طرح سے امام الجرح والتعدیل، حافظ ذہبیؒ نے بھی اس موضوع کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ مختصر مگر انتہائی جامع رسالہ رقم فرمایا۔ جہاں ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب میں غیر معمولی بسط اور تفصیل سے کلام کیا ہے، وہیں امام ذہبیؒ نے ایجاز اور اختصار کی حد کر دی ہے۔ شاید امام ذہبیؒ نے بالقصد تطویل اور اطناب سے اجتناب کیا ہے۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زیادہ مفصل

کتابیں عموماً لوگ پڑھنے سے گریز کرتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی موضوع ایک مختصر رسالہ میں مرتب کرکے بیان کیا جائے، تو لوگوں کا اس کی جانب زیادہ رجوع ہوتا ہے۔

بہرحال یہاں میں ان دونوں کتابوں میں کسی بھی طرح کا مقارنہ کرنا نہیں چاہوں گا کیوں کہ دونوں شخصیتوں کا شمار تاریخ اسلام کے جبالِ علم وفن میں ہوتا ہے۔

یہ چند سطریں بطورِ تمہید قارئین کے لیے رقم کی گئی ہیں۔ امید ہے موضوعِ کتاب قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان ثابت ہوگا، اور صغار وکبار سب کے لیے یکساں طور پر مفید ہوگا۔

محمد انوار خان، دیوبند

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

اس کتاب کے بارے میں

ہمدست کتاب امام ذہبیؒ کے نفیس رسالہ بیان زغل العلم کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ رسالہ امام کوثریؒ نے اپنی حیات میں انتہائی وقیع اور تحقیقی حواشی کے ساتھ پہلی بار مصر سے شائع کیا تھا۔ چوں کہ امام ذہبیؒ کا شمار علمِ جرح وتعدیل کے اکابرِ ائمہ اور تاریخ اسلام کے سربرآوردہ ناقدین میں ہوتا ہے، اس لیے امام ذہبیؒ کی ہر تنقید و تبصرہ، اور جرح وتعدیل کو محدثین اور نقد و تبصرہ سے اشتغال رکھنے والے علماء اور اربابِ علم وفن کے یہاں انتہائی اہم مانا جاتا ہے، اور اسے غیر معمولی اعتبار واستناد کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ اس رسالہ میں مختلف علوم وفنون سے اشتغال رکھنے والے حضرات کی انسانی نقائص اور غوائلِ نفس اور آفاتِ قلب وروح کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے یہ رسالہ کسی درِ نایاب سے کم نہیں، اور گویا یہ ہر طرح کے علماء اور حاملین فنون کے لیے نصائح وعبر کا ایک ایسا حسین گلدستہ ہے جو قندیلِ راہب اور مرشدِ امین کا مقام رکھتا ہے۔ اس کی روشنی میں مختلف فنون سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم حضرات انحراف وہوس، مادہ پرستی اور دنیوی چمک دمک سے بے پروا ہوکر جادہ حق واعتدال پر پہونچ کر کامیابی وکامرانی کا جھنڈا گاڑ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے اس کتاب کی قیمت وہی حضرات اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں جنھیں نقد و نظر، علوم وفنون، اور روحانی امراض وعللِ خفیہ سے کافی واسطہ رہا ہو۔ اس رسالہ کی غیر معمولی افادیت کے پیشِ نظر امام کوثریؒ اس کتاب کی اشاعت وخدمت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اور پہلی بار اس کی طباعت وتعارف کا سہرا آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ آپ نے اس مخطوطہ رسالہ کے نصوص کی تحقیق وموازنہ، اور تنقیح ومقارنہ کی ذمہ داری نہایت دقت سے انجام دی۔ آپ کے تحقیقی، برجستہ اور طویل حاشیوں نے اس کتاب کی افادیت پر چار چاند لگا دیا ہے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر اس کتاب پر امام کوثریؒ کا حاشیہ نہ ہوتا تو اس کو وہ اہمیت حاصل نہ ہوتی جو

آج اسے حاصل ہے۔ کیوں کہ امام ذہبیؒ کو بلا شبہ علمِ حدیث کا ستون سمجھا جاتا ہے، اور منقولات میں آپ کو امام الکل قرار دیا جاتا ہے؛ لیکن معقولات کے میدان میں آپ کو کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل نہیں ہے۔ شاید معقولیت کے اس فقدان اور نقل کے اس غلبہ نے آپ کو بعض مقامات پر اعتدال وتوسط کی ڈگر سے ڈگمگا دیا، جس کی تلافی امام کوثریؒ سے زیادہ موثر انداز سے کون کر سکتا تھا؟

آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُس کتاب کی افادیت کا عالم کیا ہو گا جس کے مصنف امام الجرح والتعدیل اور شیخ القراء والمحدثین، سلطان الحفاظ والمورخین علامہ شمس الدین ذہبیؒ جیسا عبقری ہو، اور اس پر تعلیقات رقم کرنے والا امام الناقدین، نادرۃ الزمان، استاذ المحققین، اور شیخ الفقہاء والاصولیین، علامہ محمد زاہد الکوثریؒ[۲] جیسا نابغہ۔

---

(۲) امام کوثریؒ کو اکثر لوگ ایک فقیہ اور محدث کے طور پر جانتے ہیں۔ یہ دونوں اوصاف امام کوثریؒ پر اتنا زیادہ غالب آگئے کہ آپ کے دیگر کمالات و مواہبِ علمیہ دب کر رہ گئیں۔ یہ حقیقت بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ جہاں امام کوثریؒ ایک عظیم فقیہ، اور متبحر محدث تھے، وہیں آپ ایک عبقری فلسفی اور جلیل القدر متکلم، ایک نقاد مورخ، ماہر جرح وتعدیل، اور ملل ونحل کے بے نظیر امام تھے۔ اسی طرح سے امام ذہبیؒ کو محض لوگ ایک حافظِ حدیث اور امامِ جرح وتعدیل کے طور پر جانتے ہیں۔ یہ حقیقت کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ امام ذہبیؒ اپنے دور کے مایہ ناز قاری اور شیخ التجوید اور اسی طرح سے ایک نقاد اور محقق موَرخ بھی تھے۔ مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بعض شخصیتیں جامع الکمالات ہوتی ہیں؛ لیکن ان میں کوئی ایک کمال اتنا غالب اور ایسا نمایاں ہو جاتا ہے کہ دوسرے کمالات اس کی وجہ سے دب جاتے ہیں اور لوگ ان کو محسوس بھی نہیں کرتے۔ مثال میں مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید، اور حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمہم اللہ کی شخصیتوں کا ذکر کیا ہے کہ اگرچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا پایہ فقر ودرویشی میں بھی کم نہیں ہے؛ لیکن ان پر کمالِ علم اتنا غالب ہے کہ ان کا نام سن کر لوگوں کا ذہن فقر ودرویشی کی طرف جاتا ہی نہیں بخلاف حضرت مرزا صاحب اور شاہ غلام علی صاحب کے اگرچہ وہ علم سے خالی نہیں ہیں؛ لیکن ان پر درویشی کا ایسا غلبہ ہے کہ ان کا نام سن کر لوگوں کا ذہن

اس رسالہ میں سب سے پہلے امام ذہبیؒ نے قراء اور مجودین کا ذکر کیا ہے۔ چوں کہ امام ذہبیؒ کا شمار خود علم تجوید و قرائت کے کبارِ ائمہ میں ہوتا ہے، اس لیے یہاں جس گہرائی، دقت، اور طول کے ساتھ ذہبیؒ نے کلام کیا ہے عموماً ایسا اس رسالہ کے دیگر مضامین میں نہیں ملتا۔

اس کے بعد اس کتاب کا سب سے طویل مضمون شروع ہوتا ہے جو کہ فنِ حدیث سے اشتغال رکھنے والے لوگوں پر تنقید، اور ذہبیؒ کے دور میں زوال پذیر علمِ حدیث اور علماءِ حدیث کی حالتِ زار پر ایک طرح سے ماتم ہے۔ چوں کہ ذہبی کا شمار خود فنِ حدیث کی کوہ قامت شخصیتوں میں ہوتا ہے، اور موصوف نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس فن کے نوک وپلک درست کرنے میں کھپایا، اور آپ کو اس فن کے مشائخ اور طلبہ کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا، اسی لیے آپ کو اس عنوان کے تحت مضمون میں حفاظ اور محدثین سے متعلق بے لاگ اور نہایت بصیرت افروز تبصرے ملیں گے۔ جس مؤرخانہ اور ناقدانہ اور اسی طرح سے حقیقت پسندانہ انداز سے آپ نے علماءِ حدیث سے متعلق کلام کیا ہے، اس پورے رسالہ میں ایسا کسی اور عنوان کے تحت نہیں ملتا ہے۔

اس کے بعد امام ذہبیؒ ائمہ اربعہ کے قائم کردہ مذاہب، اور ان حضرات کے متبعین کی اہم خصوصیتوں کی جانب منتقل ہوتے ہیں۔ یہاں امام ذہبیؒ مالکی اور حنفی علماء کا ذکر کرتے ہوئے کچھ تلخ کلامی کر جاتے ہیں جب کہ شوافع اور حنابلہ کے مذہب پر کوئی بنیادی نقد یا اعتراض نہیں فرماتے ہیں۔ ان دونوں عناوین کے تحت اگر کوئی نقد ملتا ہے تو وہ ایک عام قسم کی بات ہے۔ مثلا احناف کا ذکر کرتے ہوئے امام ذہبیؒ نے احناف پر یہ الزام لگایا ہے کہ یہ حضرات ابطالِ زکوۃ کے لیے حیلہ بازی کرتے ہیں وغیرہ، اور اسی طرح سے مالکیہ پر موصوف نے معمولی باتوں پر قتل کا فتوی صادر کرنے کی تہمت لگائی ہے۔ اس طرح کا کوئی نقد شوافع اور حنبلی مسلک کے بارے میں نہیں ملتا۔ غالباً یہ اس لیے ہے کہ موصوف خود فروع میں شافعی

علم کی طرف بالکل منتقل نہیں ہوتا؛ بلکہ صرف فقر و درویشی ہی کی طرف سبقت کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تصویرِ انور ص ۱۳، جمع و ترتیب مولانا انظر شاہ کشمیریؒ (انوار)

المسلک اور اصول وعقائد میں حنبلی المذہب تھے۔ بہت ہی کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تعصب سے پورے طور پر بری ہوتے ہیں۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اپنے مذہب کو کوئی کیسے تنقید کا نشانہ بنا سکتا ہے؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا مسلک پسند کرتا ہے اور اس کے لیے وجوہِ ترجیح بھی تلاش کرلیتا ہے، تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں۔ مسئلہ اس وقت پیچیدہ ہو جاتا ہے جب کوئی شخص دوسرے کے مذہب اور مسلک کو ہدفِ تنقید بنانا شروع کردے، اور بلاوجہ مخالف کے مذہب کی تنقیص کرنا شروع کردے۔ تعصب عجیب چیز ہے۔ دنیا میں بہت ہی کم ایسے عظیم لوگ پیدا ہوئے ہیں جو تعصب کی بیماری سے پاک ہوتے ہیں۔ ہر کوئی ابن عبد البرؒ، ابن دقیق العیدؒ، ابن الھمامؒ، اور انور شاہ کشمیریؒ نہیں ہوتا ہے۔

اپنے مذہب کی برتری اور دیگر مذاہب کے تنقیص کی ایک مثال علامہ تاج الدین سبکیؒ کے یہاں ملتی ہے۔ علامہ راعی اندلسیؒ اپنی کتاب انتصار الفقير السالك لترجيح مذهب الإمام مالك ص۲۹۹ میں فرماتے ہیں: ومن تعصبات الشافعية ما وقع لتاج الدين عبد الوهاب السبكي في طبقاته الصغرى، حيث قال: "و أما أهل اليمن فنظر الله تعالى إليهم بعين العناية، حيث لم يجعل منهم مالكيا و حنفيا، و إنما كلهم مقلدون لمذهب الشافعي. (شافعی علماء کے تعصب کے واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جسے تاج الدین عبد الوہاب سبکیؒ نے اپنی کتاب الطبقات الصغری میں رقم کیا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں: اہلِ یمن پر اللہ نے اپنی خاص نظر عنایت ڈالی، اور یہاں کسی کو مالکی یا حنفی نہیں بنایا، یہاں کے سارے کے سارے لوگ مذہبِ شافعی کے ہی مقلد ہوتے ہیں۔)

علامہ سبکیؒ کا یہ کلام واقعی بہت سخت ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کی عالمِ اسلام کے جن بلاد وامصار میں مذہب شافعی مروج ہے، وہاں اللہ کی نظرِ عنایت ہے، اور اس کے برعکس جہاں یہ مذہب معمول بہ نہیں ہے، وہ جگہ نعوذ باللہ خدا کی عنایت اور رحمت سے محروم ہے۔

علامہ راعی اندلسیؒ نے امام سبکیؒ کے کلام کا سخت نوٹس لیا ہے۔ موصوف سبکیؒ کا تعاقب کرتے ہوئے اسی کتاب میں ص۲۹۹ میں فرماتے ہیں: ومثل هذه لايصدر ممن سكن الإيمان قلبه، وإنما يصدر ذالك من جاهل، لاعقل له ولادين. (اس طرح کا کلام ایسے شخص سے صادر نہیں ہو سکتا ہے جس کا دل ایمان کی دولت سے مالا مال ہو۔ یہ کلام تو کسی ایسے جاہل شخص کا لگتا ہے، جو عقل و دین سے محروم ہو۔)[۳]

امام ذہبیؒ نے اسی دوران کبر و عجب سے اجتناب کی تاکید فرماتے ہوئے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ ابن تیمیہؒ پر علماء نے کفر و ضلال کا جو فتوی ٹھونکا تھا اور مختلف بے اعتدالیوں سے متہم قرار دیا تھا، اس کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ ابن تیمیہؒ کا زعم اور غرور تھا، اور اپنی ذات پر حد سے زیادہ اعتماد اور تعلی تھی جس کی وجہ سے موصوف متقدمین اور متاخرین تمام لوگوں پر بے دھڑک تنقید کرنے لگتے تھے اور دورانِ تردید احتیاط اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا۔

اس کے بعد امام ذہبیؒ نے اختصار کے ساتھ علمِ نحو اور علمِ لغت کا ذکر فرمایا ہے۔

موصوف نے اس کے بعد علمِ تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے امام رازیؒ کی تفسیر پر سخت تنقید کی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام رازیؒ کی تفسیر کا کوئی جواب نہیں ہے۔ علامہ کوثریؒ کا حاشیہ اس مقام پر انتہائی وقیع ہے۔ اسی طرح سے احقر نے امام رازیؒ کی تفسیر کے دفاع میں

---

(۳) علامہ سبکیؒ نے اپنے مذہب کی مزید فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ألا ترى أن قضاة الشافعية مقدمون على سائر القضاة من كل المذاهب، وينفردون بأمور لاتحصل لمن عداهم من قضاة سائر المذاهب لتقدمهم في سائر المحافل، وفي المجالس والاستنابة في سائر الأعمال والنظر في المصالح العامة. (بھلا دیکھو تو سہی کہ شافعی قضات کو دیگر مذاہب کے تمام قاضیوں پر تفوق حاصل ہے، اور ان کو کچھ ایسے امتیازات حاصل ہیں جو دیگر مذاہب کے قاضیوں کو بالکل حاصل نہیں ہیں، کیوں کہ شافعی قضات ہی تمام حلقوں، اور مجالس میں سب پر مقدم رہتے ہیں، اور تمام ذمہ داریاں انھیں کو سونپی جاتی ہیں، اور اسی طرح سے مصالح عامہ کی نگرانی بھی انھیں حضرات کے حوالہ ہے۔) ملاحظہ فرمائیں حوالہ سابقہ ص۲۹۹ (انوار)

جو حاشیہ میں نوٹ کیا ہے وہ بھی قارئین کے لیے مفید ہے۔

اس کے بعد امام ذہبیؒ نے اصولِ فقہ کا ذکر فرمایا ہے؛ لیکن اس مقام پر امام ذہبیؒ سے کچھ بنیادی اصولی غلط فہمیاں سرزد ہو گئی ہیں جس کا امام کوثریؒ نے اپنے حاشیہ میں شافی جواب دیا ہے، اور اس فن کی اہمیت کو اچھی طرح سے اجاگر فرمادیا ہے۔

مذکورہ عنوان کے بعد امام ذہبیؒ نے علم اصول الدین کا ذکر فرمایا ہے۔ اہلِ علم حضرات کے یہاں علمِ اصول الدین علمِ عقیدہ یا علمِ توحید واسماء وصفات کو کہا جاتا ہے۔ اس عنوان کے تحت امام ذہبیؒ نے دوبارہ اپنے استاذ ابن تیمیہؒ پر سخت تنقید کی ہے اور علمِ کلام اور فلسفہ کو شر ور و فتن کا مصدر اور سامانِ انحراف وضلال قرار دیا ہے۔

اس کے بعد موصوف نے علمِ منطق کا ذکر فرمایا ہے، اور اپنی جماعت کے دیگر علماء کی طرح موصوف نے اس فن کو انتہائی نقصان دہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے علامہ کوثریؒ اپنے حاشیہ میں اس تبصرہ کو کہاں معاف کرنے والے تھے۔ چنانچہ امام کوثریؒ کا حاشیہ اس مقام پر انتہائی اہم ہے کیوں کہ آپ نے منطق کی اہمیت کو خود ایک مشہور حنبلی محقق عالم سلیمان ابن عبد القوی طوفی حنبلیؒ کے کلام کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ یاد رہے منطق کی سب سے زیادہ مخالفت کرنے والا طبقہ حنابلہ کا ہے۔

اس کے بعد امام ذہبیؒ نے علمِ حکمت اور فلسفہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہاں آکر تو امام ذہبیؒ نے تشدد کی انتہا کر دی ہے۔ موصوف نے اس فن کو نہ صرف یہ کہ علومِ اسلام سے خارج کر دیا ہے؛ بلکہ اس فن کے سیکھنے والوں کو زندہ جلا دینے اور انھیں جلاوطن کر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو فلسفہ بذات خود گمراہ کن نہیں ہوتا ہے۔ مسلم فلاسفہ نے صرف اس فلسفہ سے سروکار رکھا جس کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی جا سکے، اور حقیقی معنوں میں ان حضرات نے اسلام کی اپنے دور میں عظیم خدمات انجام دی ہیں اور منکرین اسلام اور اسی طرح سے منکرین نبوت وغیرہ کا بہت ہی شافی جواب دیا ہے۔ علامہ کوثریؒ نے اس مقام پر حاشیہ میں جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ واقعی سونے کے پانی سے رقم کرنے کے لائق ہے۔ آپ فرماتے ہیں مسلمانوں میں جو دینی و دنیاوی کمزوری آئی وہ علم اور عمل

میں سستی اور کاہلی کے نتیجہ میں ہے، نہ کہ منطق اور فلسفہ سے اشتغال رکھنے کی وجہ سے۔

اس کے بعد امام ذہبیؒ نے علم میراث کا تذکرہ فرمایا ہے، اور پھر علم انشاء، اور اس کے بعد فنِ شعر کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد علامہ ذہبیؒ نے فن حساب کا ذکر فرمایا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے اس فن کو بے قیمت اور غیر اہم بتایا ہے جس پر امام کوثریؒ کا انتہائی علمی تبصرہ اور آپ کی محققانہ اور مدققانہ گرفت حاشیہ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے راقم الحروف، مترجم کتاب ہذا نے بھی علامہ کوثریؒ کی تائید میں امام شیرازیؒ شافعی کا قول نقل کیا ہے جو قابلِ ملاحظہ ہے۔

اس کے بعد امام ذہبیؒ نے علم الشروط کا تذکرہ فرمایا ہے، اور سب سے آخر میں فن وعظ وارشاد کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں کتاب اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

ناچیز راقم الحروف، اپنے مربی و محسنِ کبیر، استاذِ مشفق، خاتمۃ المحدثین، بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی، استاذِ حدیث دارالعلوم، دیوبند، وصدر اسلامک فقہ اکیڈمی کا شکر گذار ہے کہ حضرت نے پوری کتاب پر ناقدانہ نظر ڈالی اور کلمات تشجیع اور نصائح غالیہ سے مجھ جیسے نااہل کو نوازا، جس کے لیے یہ حقیر دعا گو ہے کہ اللہ تعالی خیر وعافیت کے ساتھ آپ کا سایہ ہم پر قائم رکھے۔ آمین۔

آخر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ کوثریؒ نے بیان زغل العلم کے نسخہ کو ابن تیمیہؒ کے نام امام ذہبیؒ کے ایک خاص خط کے ساتھ شائع کیا تھا جسے ان شاء اللہ یہ حقیر کسی مستقل کتابچہ میں تفصیلی حواشی کے ساتھ شائع کرنے کا خواہاں ہے۔ واللہ الموفق

محمد انوار خان، دیوبند

۴ شوال المکرم ۱۴۳۵

امام ذہبیؒ پر ایک نظر

تاریخِ اسلام میں کس قدر عباقرہ اور تاریخ ساز شخصیتیں گذری ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہی نہیں؛ بلکہ ایک ناممکن عمل ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخِ انسانیت میں دیگر قوموں کی بنسبت مسلمانوں کے ذریعہ رجال اور ان کے احوال پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے۔ متعدد مستشرقین نے اس حقیقت کا کھل کر اعتراف کیا ہے۔ آج ہمارے درمیان طبقات وتراجم، اور رجال وتواریخ کی کتابیں شاہدِ عدل کا مقام رکھتی ہیں، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اسلاف نے جو کچھ سوانح وسیر کے موضوع پر لکھا ہے وہ پورے طور پر جامع اور حاوی نہیں ہے، اور ان کتابوں میں تمام علمی شخصیات اور ان کے احوال وکوائف کا استیعاب کے ساتھ احاطہ نہیں ہوسکا ہے۔

تاہم علماء کی ایک بڑی جماعت ہے جن کی زندگی کا ایک ایک پہلو طبقات وتراجم کی کتابوں میں : تنی وضاحت کے ساتھ مدون ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے ایک نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمیشہ کے لیے رکھے گا۔ گویا ہم ان کے بارے میں یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ پیدائش سے لیکر وفات تک تقریبا تمام زندگی کے نشیب وفراز ہمیشہ کے لیے قید کر لئے گئے ہیں۔ امام ذہبیؒ بھی انھیں خوش نصیب علماء میں ہیں جن کی حیات سے متعلق متعدد تصانیف موجود ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری اور اس کے بعد تواریخ وتراجم کی جتنی کتابیں بھی آپ کی نظر سے گذریں گی، ان تمام میں امام ذہبیؒ کی سیرت آپ کو ضرور پڑھنے کو ملے گی؛ بلکہ ذہبیؒ کی عبقری شخصیت ان تمام تصانیف کے اہم رجال میں ہوگی۔ محدّثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابوغدہ حلبی مرحوم أربع رسائل في علوم الحديث میں ص ۱۶۰ پر فرماتے ہیں کہ امام ذہبیؒ کی حیات پر لکھی گئی سب سے عمدہ

کتاب معاصر محقق ڈاکٹر بشار عواد معروف بغدادی کی الذهبي ومنهجه في كتابه تاريخ الإسلام ہے۔

امام ذہبیؒ کے لیے اس سے زیادہ فخر کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ خاتمۃ الحفاظ، امیر المومنین فی الحدیث، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے آبِ زمزم نوش کرتے ہوئے یہ دعا کی کہ آپ کو ذہبیؒ جیسا حافظہ مل جائے۔ حافظ ابن حجرؒ کے شاگردِ رشید حافظ سخاویؒ الإعلان بالتوبيخ لمن ذم التاريخ میں ص۱۳۵ پر فرماتے ہیں: ويكفينا في جلالة الذهبي شرب شيخنا ماء زمزم لنيل مرتبته وهل انتفع الناس في هذا الفن بعده والى الآن بغير تصانيفه؟ (ذہبیؒ کی جلالتِ شان کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ میرے شیخ (ابن حجرؒ) نے آپ جیسا علمی مقام حاصل کرنے کے لیے آبِ زمزم نوش فرمایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام لوگوں نے آپ کے دور سے لے کر آج تک اس فن (یعنی رجال و تاریخ) میں آپ ہی کی تصانیف سے زیادہ تر استفادہ کیا ہے۔)

اسی طرح سے ہندوستان کے ابن دقیق العید اور ابن حجر، امام المحققین علامہ انور شاہ کشمیریؒ فن رجال میں ذہبیؒ کے بلند ترین مقام اور بے نیر حافظہ کا ذکر کرتے ہوئے فيض الباري على صحيح البخاري ج۱ ص۱۷۹ میں فرماتے ہیں: والذهبي ممن قيل في حقه أنه لو أقيم على أكمة والرواة بين يديه، لعرف كلا منهم بأسمائهم وأسماء آبائهم. (ذہبیؒ ان لوگوں میں ہیں جن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر موصوف کو ایک ٹیلے پر کھڑا کر دیا جائے، اور تمام رواتِ حدیث آپ کے سامنے پیش کر دیے جائیں تو آپ ان میں سے ہر ایک کا نام مع ولدیت، بیان کر دیں گے۔)

محمد انوار خان، دیوبند
۴ شوال المکرم ۱۴۳۵

علم کے منفی اثرات

تالیف

سید الحفّاظ والمؤرّخین، امام الجرح والتعدیل، شمس الدین ذہبیؒ

ولادت: ۶۷۳ ہجری، ۱۲۷۴ عیسوی، وفات: ۷۴۸ ہجری، ۱۳۴۸ عیسوی

تعلیقات

شیخ الاسلام، محققِ جلیل، امام محمد زاہد الکوثریؒ

ولادت: ۱۲۹۶ ہجری، ۱۸۷۹ عیسوی، وفات: ۱۳۷۱ ہجری، ۱۹۵۲ عیسوی

مترجم و محشی

محمد انوار خان قاسمی بستوی

(ڈائریکٹر ہند عرب ملٹی لنگول سینٹر، وایڈیٹر اسلامک لٹریچر ریویو)

مقدمہ

علم کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس کے اندر محققین اور اہلِ علم کے افکار و نظریات اور علماء اور اہلِ نظر حضرات کے بحث و تنقیح اور تفتیش و جستجو کے نتیجہ میں دن بدن پختگی آتی رہتی ہے۔ دنیا کی جو قومیں جس قدر مختلف علوم و فنون سے بہرہ مند ہوتی ہیں، اسی کے بقدر ان کے اندر سعادت یا شقاوت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ در حقیقت اقوامِ عالم کی زندگی اور بقاء علم ہی پر منحصر ہے۔

جس دوران مسلمانوں کا ستارہ اوج پر تھا، اور ان کی عظمت و بلندی کا پوری دنیا میں ڈنکا بجتا تھا، اس وقت کوئی بھی قوم علوم و فنون میں مسلمانوں کی ہمسری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک انسان کا جس قدر علم سے رشتہ مضبوط ہو گا، وہ اتنا ہی عظیم اور قابلِ احترام ہو گا۔ جو لوگ علوم سے خالی ہوتے ہیں، وہ انسانی ڈھانچے میں ایک کھوکھلے مجسمے اور بے جان جسم کے مانند ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نہ تو عقلاء کے یہاں کوئی اہمیت ہے، اور نہ ہی شریعت کی نظر میں ایسے لوگوں کی کوئی قیمت۔

در حقیقت علم اور دین دونوں کا آپس میں بہت ہی مضبوط رشتہ ہے۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ علم اور دین باہم متخالف ہیں، وہ انسان کہے جانے کے حقدار نہیں ہیں۔ بہت کم ظرف ہیں وہ لوگ جو یہ سوچتے ہیں کہ دین کے لیے علم کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگ واقعی سخت جمود اور جہالت کے شکار ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے جو لوگ علم کے پیچھے پڑے رہتے ہیں؛ لیکن دینداری سے دور ہوتے ہیں وہ بے جان ہوتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں جماعتوں سے بہت نقصان پہونچتا ہے، اور تمام برائیاں یہیں سے در آتی ہیں۔

ذہبیؒ کا یہ رسالہ موسوم بہ بیان زغل العلم ایک مختصر نوٹ ہے جس میں موصوف نے مختلف علوم وفنون، مذاہب وعقائد، اور افکار ونظریات کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ علوم وفنون کے ان حاملین کے اندر کیا آفات آسکتی ہیں، اور منزلِ مقصود تک پہونچنے کے لیے کن موانع اور غوائلِ نفس کا سامنا پڑ سکتا ہے، ان تمام چیزوں کو امام ذہبیؒ نے سلیس وشیریں اسلوب، مقفع و مسجع عبارت، اور انتہائی دلچسپ لہجہ اور انوکھے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ قارئین اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جن علوم اور ان کے حاملین کو ذہبیؒ نے ہدفِ تنقید بنایا ہے ان سے امام ذہبیؒ کا تعلق کس قدر تھا۔ ان تنقیدوں سے ذہبیؒ کی پوری علمی شخصیت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے ذہبیؒ نے ان مختلف علماء کے ساتھ اپنی زندگی کے کچھ لمحات گذارے ہوں۔ قارئین ان تبصروں سے اس بات کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تراجم ورجال اور طبقات وسوانح نگاری کے میدان میں منقولات اور معقولات کے ائمہ، اور اصول وفروع کے ماہرین کے بارے میں ذہبیؒ کے صادر کردہ احکام اور تنقیدوں کو کہاں تک قبول کیا جا سکتا ہے۔ علماءِ متقدمین کی سوانح کے بارے میں عموماً متاخرین ذہبیؒ ہی کے تراجم پر اعتماد کرتے ہیں کیوں کہ تمام مؤرخین کا اجماع ہے کہ یہ شخصیت اس فن کی شہسوار ہے۔

لیکن اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ایک مورخ نے مختلف فقہاء اور ائمہ کے مراتب کی حد بندی کے لیے کن معیاروں کو منتخب کیا ہے، ساتھ ساتھ اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ مؤرخ یا سوانح نگار کو اصحابِ سوانح کے علوم وفنون سے کس قدر وابستگی ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ مؤرخ یا سوانح نگار بلند پایہ اور کوہ قامت شخصیتوں کا رتبہ گھٹا دے اور اسی طرح سے کم رتبہ اور کم علم رجال کا مقام ضرورت سے زیادہ بڑھا دے۔

اگر چہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ متاخرین میں سلف کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرنے والے لوگوں میں ذہبیؒ کو سب سے زیادہ مقتدر اور ماہر مانا جاتا ہے، اور اسی طرح سے موصوف علومِ قراءت میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے، اور فنِ حدیث اور اسماء الرجال، اور موالید ووفیات میں پوری دنیا میں موصوف کی طوطی بولتی ہے؛ بایں ہمہ اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ دیگر علوم وفنون حتی کہ فقہ اور اصولِ فقہ جیسے بنیادی علوم

میں بھی ذہبیؒ کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔ اس لیے ذہبیؒ جب کسی کی سیرت لکھتے ہیں تو اس بات کو ضرور ذہن نشین رکھا جائے کہ صاحبِ سوانح کے علوم کے ساتھ موصوف کو کتنی مناسبت ہے، اور پھر اسی اعتبار سے موصوف کے تعیینِ مراتب پر اعتماد کیا جائے گا۔ ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ جس فکری ماحول اور گرد و پیش میں ذہبیؒ کی نشو و نماء ہوئی ہے، اس کے اثرات ذہبی پر فطری طور پر کبھی کبھی حاوی ہو جاتے ہیں۔(۴) اسی لیے اس رسالہ میں بقدرِ ضرورت میں نے تعلیق کا اہتمام کیا ہے۔ یاد رہے ہر آدمی کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے۔

کوثریؒ

---

(۴) امام کوثریؒ ابن تیمیہؒ اور ان کے ذریعہ پھیلائے گئے بہت سے تفردات اور شواذ، اور اس ہنگامہ بلاخیز کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں جسے ابن تیمیہؒ نے اپنے دور میں اتباعِ سلف کے دعوی کے تحت برپا کیا تھا، اور علماء کی ایک بڑی جماعت موصوف کی متبع بن گئی تھی۔ جن اہم لوگوں نے ابن تیمیہؒ کی فکری اور اعتقادی ہمنوائی کی تھی ان میں ابن القیمؒ، ابن کثیرؒ، ابوالحجاج مزیؒ، امام ذہبیؒ، اور ابن عبد الہادی حنبلیؒ وغیرہ ہیں۔ یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ ذہبیؒ ابن تیمیہؒ سے متاثر ہونے کے باوجود ابن تیمیہؒ کے شدید ناقدین میں بھی ہیں جیسا کہ آپ کو اس رسالہ میں ملے گا۔ اسی طرح سے ذہبیؒ نے اپنی بعض دیگر کتابوں میں بھی ابن تیمیہؒ کے کئی مسائل اور اجتہادات پر سخت تنقید کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف ابن تیمیہؒ کے مقلدِ اعمی نہیں تھے۔ اس کے برخلاف دیگر ہم مشرب علماء اور محدثین ابن تیمیہؒ کے مقلد جامد تھے۔ بہر حال چونکہ ذہبیؒ ابن تیمیہؒ کے تلامذہ میں ہیں، اس لیے اس کا اثر نادانستہ طور بہت سی چیزوں میں آ ہی جاتا ہے، جس کے بارے میں متنبہ رہنا ضروری ہے۔ (انوار)

قراء اور علماءِ تجوید

یاد رہے علماءِ دین کے ہر گروہ اور طبقہ میں کچھ قابلِ مذمت اور معیوب خصلتیں ہوتی ہیں جس سے اجتناب کرنا ضروری ہوتا ہے۔

قراء اور مجودین حضرات کے اندر بلاوجہ کی بناوٹ اور ضرورت سے زیادہ تکلف پایا جاتا ہے یہاں تک کہ بہت سے قراء اپنی پوری زندگی حروف و مخارج کی رعایت، اور تجوید میں غیر ضروری تکلف میں ہی گزار دیتے ہیں اور خدا کے کلام کے معانی میں تدبر و تفکر سے بے پرواہ رہتے ہیں۔ خشوع و خضوع کے ساتھ تلاوتِ قرآن پر یہ حضرات زیادہ توجہ نہیں دیتے ہیں۔ یہ فن انھیں متکبر بنا دیتا ہے، اور یہ حضرات ان حُفاظِ قرآن اور عوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو تجوید میں ماہر نہیں ہوتے ہیں۔ قراء کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ یہ حضرات شاذ قسم کی روایات پر کافی توجہ دیتے ہیں۔

ارے بھائی، کیا سیکھا تو نے اپنے فن سے؟ کیا علم حاصل کیا تو نے؟ اگر تیری حالت یہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اس علم کو صالح نیت سے حاصل ہی نہیں کیا ہے۔ تیری تلاوت حد سے زیادہ پر تکلف ہے، اور خشوع و خضوع، اور خوف و خشیت سے خالی ہے۔ خدا ہی تجھے توفیق دے، اور تیری آنکھ کھولے، اور تجھے جہالت اور ریاء کاری کے دلدل سے باہر نکالے۔

یہی حالت گنگنا کر اور الفاظِ قرآن کو کھینچ کھینچ کر تلاوت کرنے والے قاریوں کی ہے۔ لیکن ان میں ایک گروہ ایسا ہوتا ہے جو اپنے دل میں خوفِ خدا، اور خشیتِ الٰہی لئے کر پڑھتا ہے۔ اس طرح کے لوگوں سے مجموعی طور پر نفع کی امید ہوتی ہے۔ میں نے اس طرح کی ایک ایسی جماعت کو دیکھا ہے جو تلاوتِ قرآن کے وقت انتہائی صحت کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، اور سامعین کو فرحت و طرب سے معمور کر دیتے تھے، اور سامعین کی ایک لمبی تعداد رونے تک پر مجبور ہو جاتی

تھی۔ لیکن میں نے اس طرح کی ایک دوسری جماعت کو بھی دیکھا ہے جن کی تلاوت قساوتِ قلبی کا سبب بنتی ہے اور سامعین کے نفوس اکتاہٹ کا احساس کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح کی قراءت سے قرآنی الفاظ تک میں تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ ان تمام لوگوں میں سب سے بری حالت جنائزیہ (یعنی میت پر قرآن خوانی کرنے والے قاریوں) کی ہے۔

رہا مسئلہ قراءت بالروایات کا یا اسی طرح سے مختلف ائمہ کی قراءتوں کو ایک ہی مجلس میں جمع کرنے کا، تو اس میں تو خشوع کا دور دور تک کوئی امکان نہیں رہتا۔ اس طرح کی تلاوت سے انسان مقصدِ قرآن سے دور ہو جاتا ہے۔ اس انداز کے قراء کا مطمح نظر حمزہ کی مختلف قراءتوں میں تنوع پیدا کرنا، لام کی تغلیظ اور راء کی ترقیق ہوتی ہے۔

ارے قاری صاحب، بس اخلاص کے ساتھ قراءت کرتے رہیں، اور اس تغلیظ اور ترقیق، کثرتِ امالہ اور فرطِ مد، اور وقفِ حمزہ وغیرہ کے چکر میں زیادہ مت پڑیں۔ آخر کب تک اس طرح سے وقت ضائع کرتے رہیں گے۔

بعض قراء ایسے ہوتے ہیں جو ختمِ قرآن کے وقت، یا کسی دینی پروگرام میں قراءت کے دوران عجیب وغریب قسم کی تلاوتیں کرتے ہیں، اور سکتات کی انتہاء کر دیتے ہیں۔ یہ حضرات گلا پھاڑ پھاڑ کر ایسی تلاوتیں کرتے ہیں جس میں مختلف شناعتوں کا ارتکاب کرتے ہیں، اور ہمچنیں دیگرے نیست کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کے سامنے یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ میں سبعہ کا ماہر ہوں۔ اب اگر تو سبعہ میں ماہر ہے تو کیا ہوا؟ تو تو ایک بوجھ ہے۔ قلوب کو خوش کرنے کے بجائے تو انھیں رنجور کر رہا ہے۔(۵)

---

(۵) علم قراءت سب سے اشرف اور سب سے افضل علم ہے کیوں کہ اس کا تعلق قرآنِ حکیم سے ہے اور یہ وہ کتاب ہے جسے اگر مسلمانوں نے دینی رہنمائی کے لیے مضبوطی سے تھامے رکھا، تو پھر دنیا و آخرت میں انھیں سرخروئی سے کوئی نہیں روک سکتا، اور اگر خدانخواستہ اس کتاب سے روگردانی کی، تو پھر شقاوت وبد بختی ان کا مقدر بن کر رہ جائے گی۔ تجوید کا سیکھنا ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔ علم قراءت علوم القرآن کا ایک حصہ ہے۔ امتِ مسلمہ پر فرض ہے کہ ہر صدی میں تواتر کے ساتھ اس فن کو قائم ودائم رکھے۔ ہر ملک میں اس فن سے اشتغال رکھنے والے لوگوں کی اتنی تعداد ہونی چاہیے جو تواتر کو پہونچ جائے، ورنہ علماءِ محققین کی رائے کے مطابق سارے کے سارے لوگ گنہگار ہوں گے۔ خود مصنفِ کتاب نے علم

محدثین

اکثر محدثین فہم و بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔[۲] معرفتِ حدیث اور سنتِ نبویہ پر عمل پیرا ہونے میں ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ صحیح اور موضوع روایتیں ان کے یہاں ایک ہی درجہ میں ہوتی ہیں۔ اکثر طالبینِ حدیث جاہل قسم کے محدثین کے یہاں سماعِ حدیث، روایتِ حدیث اور تکثیرِ اجزاء میں دلچسپی رکھتے ہیں، اور آدابِ حدیث سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ کثرتِ سماع کا بھوت ان پر ہر وقت سوار رہتا ہے۔ ایک محدث کسی جزء کا سماع حاصل کرنے کے بعد بس اسی خیال میں رہتا ہے کہ وہ اب تاحیات دیگر طلبہ کو اس کی اجازت دیتا رہے گا۔ ایسے لوگوں پر مجھے افسوس ہے۔ کتنی عجیب آرزو ہے ایسے لوگوں کی،

قراءت میں اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ گزارا ہے یہاں تک کہ آپ کا شمار اس فن کے بلند پایہ علماء میں ہوتا ہے۔ موصوف خود علمِ قراءت کی اہمیت جاننے والوں میں ہیں۔ یہاں جو آپ نے اس فن سے اشتغال رکھنے والوں کے خلاف سخت تبصرہ فرمایا ہے، اس سے آپ کا منشا ان خرابیوں کی نشاندہی اور ان پر تنبیہ ہے جس سے عموماً کسی بھی فن کے لوگ بری نہیں ہوتے ہیں، اسی لیے مصنف نے اس پر قدغن لگانا ضروری سمجھا۔ مصنف قطعاً اس عظیم الشان فن سے مختلف اسلامی ممالک میں اشتغال رکھنے والے موجودہ اور ماضی کے طلبہ وعلماء کی ہمت شکنی یا مذمت نہیں کرنا چاہ رہے ہیں۔ اللہ اس فن کے حاملین کی تعداد میں اضافہ کرے، اور اس فن کو جیتا جاگتا رکھے۔ (کوثریؒ)

(۲) یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر محدثین فہم و بصیرت، اور تفقہ واستنباط کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اسی لیے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محدثین نے اہلِ تفقہ واستنباط علماء پر کم علمی کی بنا پر اعتراضات کرنا شروع کر دیا۔ یاد رہے امام ابو حنیفہؒ پر جن لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں ان میں اکثر کا تعلق اہلِ حدیث حضرات سے تھا جنھوں نے اپنی زندگی کو نقل وروایت تک محصور کر لیا تھا اور جن کو تفقہ واستنباط، اور استخراج وقیاس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ (انور)

اور کتنا غلط رویہ ہے ایسے محدثین کا۔ مجتہدِ مطلق، امام سفیان ثوریؒ نے تبصرہ فرماتے ہوئے صحیح کہا تھا: "اگر حدیث کوئی اچھی چیز ہوتی، تو دیگر خیر کی چیزوں کی طرح یہ بھی ناپید ہو گئی ہوتی۔" خدا کی قسم، سفیان ثوریؒ نے صحیح تبصرہ فرمایا ہے۔ کیا فائدہ ملے گا ایسے طالبِ حدیث کو جو صحیح اور ضعیف روایت میں کوئی تمیز نہ کر سکے، اور مقبول و مردود کے درمیان کوئی فرق نہ کر سکے، اور رواتِ حدیث کی اس کے پاس معلومات نہ ہو (۷)، اور نہ ہی حدیث طلبی کا مقصد خدا طلبی اور دینداری ہو۔

دورِ حاضر میں طلبِ حدیث اور سماعِ حدیث کا مقصد خدا طلبی اور دینداری بالکل نہیں رہا۔ لوگ سماعِ حدیث اس لیے کرتے ہیں تاکہ بحیثیت شیخ ان کو روایتِ حدیث کا موقع ملے۔ خدا کی قسم یہ عمل اللہ کے لیے نہیں ہو سکتا ہے۔

---

(۷) بعد کے ادوار میں محض روایتِ حدیث کا کوئی خاص فائدہ نہیں رہا۔ علماء کا کہنا ہے: حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک حصہ ہے رواتِ حدیث اور ناقلینِ حدیث کے احوال کا علم۔ اور دوسرا حصہ ہے فقہاء اور اہلِ نظر حضرات کے اصول و ضوابط کے مطابق احادیث کے معانی کی معرفت اور تفقہ۔ جس شخص کے اندر ان دونوں صفات میں سے کوئی ایک موجود نہ ہو، تو اسی کے بقدر علمِ حدیث کے تئیں اس کے اندر کمی پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ حدیث کی جوں کا توں روایت کر دیا ہو۔ ہر طبقہ میں اس شرط کی تکمیل کرنے والے کم ہی لوگ ہوتے ہیں۔ بہت ہی کم ایسی خوش نصیب اور مایہ ناز شخصیتیں ہوتی ہیں جو حدیث کے اندر دونوں پہلوؤں سے مہارت رکھتی ہوں۔ امام ابن طولونؒ نے اپنی کتاب الفلك المشحون ص ۱۰ میں امام شافعیؒ کا وہ مشہور قول نقل کیا ہے جسے امام شافعیؒ نے اپنے کسی شاگرد سے کہا تھا: أتريد أن تجمع بين الفقه والحديث؟ هيهات! (کیا تم فقہ اور حدیث دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہو؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔) کئی دفعہ ایسا دیکھنے کو ملتا ہے کہ امام شافعیؒ الأم میں کوئی حدیث روایت فرماتے ہیں، اور اس کے بعد کہتے ہیں: یہی میرا مسلک ہے، اگر یہ حدیث صحیح ہے، یا اگر یہ حدیث ثابت ہے، یا اس جیسا کوئی اور جملہ۔ موصوف نفی و اثبات کے کسی ایک خاص پہلو کو بالجزم اختیار نہیں کرتے، اور یہ سب خدا کے دین میں غایتِ ورع اور احتیاط کی بنا پر کرتے ہیں۔ آج کے ان مفتیانِ کرام سے دھوکہ مت کھائیں جو فتویٰ طلب کرنے سے پہلے ہی فتویٰ ٹھونک دیتے ہیں، اگرچہ ان کا علمی مقام اتنا کمتر ہوتا ہے کہ یہ متقدمین کی جوتیوں کی دھول بھی نہیں ہو سکتے۔ (کوثریؒ)

میری اس تنقید کا نشانہ صبح و شام علمِ حدیث سے اشتغال رکھنے والے حضرات ہیں۔ میں اس وقت ان حضرات سے بالکل خطاب نہیں کر رہا ہوں جو عقل و خرد سے محروم ہیں، اور نماز با جماعت تک کے پابند نہیں ہیں، اور نہ ہی فواحش و کبائر سے اجتناب کرتے ہیں، اور نہ ہی انھیں صدقہ و خیرات سے کوئی مطلب ہے۔ اے علمِ حدیث کا طالب، مجرمین کا رویہ مت اختیار کر، اور اپنے اس فن کو فتنہ بننے سے بچا، ورنہ تو روئے زمین کا منحوس ترین فرد بن جائے گا۔

آج کے طالبِ حدیث کو سب سے پہلے الجمع بین الصحیحین، امام عبد الحق کی کتاب الأحکام، اور حافظ ضیاء الدین مقدسیؒ کی کتاب الأحادیث المختارۃ(۸)

(۸) الجمع بین الصحیحین حمیدی اندلسیؒ متوفی ۴۸۸ھ کی ہے جس میں موصوف نے صحیحین کی احادیث کو جمع کیا ہے، اور ایک بہترین کارنامہ انجام دیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو مسانیدِ صحابہ کے مطابق پانچ طبقات پر مرتب کیا ہے۔ سب سے پہلے مسند ابو بکرؓ، پھر مسانیدِ عشرہ مبشرہؓ، پھر عشرہ مبشرہؓ کے بعد سب سے زیادہ افضل اور مقدم صحابہؓ، پھر مکثرین، اور پھر مقلین، اور آخر میں مسانیدِ نساء کا ذکر کیا ہے۔ مؤلف نے صحابی سے روایت کرنے والے تابعی کے علاوہ دیگر رجالِ سند کو حذف کر دیا ہے۔ ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تعیین کی ہے کہ شیخین نے رواۃ کے علاوہ متون میں کن مقامات میں اتفاق کیا ہے، اور کن مقامات میں اختلاف۔ دار قطنیؒ کی کتابوں خصوصاً الإلزامات و التتبع، اور حافظ ابو بکر اسماعیلیؒ کی المستخرج علی صحیح البخاري، اور ابو بکر خوارزمی برقانیؒ کی المستخرج علی الصحیحین، اور ابو مسعود دمشقیؒ کی أطراف الصحیحین سے اہم تنبیہات اور فنی نکات کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حفاظِ حدیث کی کتابوں سے صحیحین کے متعلق کسی خاص نکتہ پر تنبیہ، کسی حذف شدہ پہلو کی تتمیم، یا کسی شرح، یا کسی نام یا نسب کی وضاحت، یا کسی اسناد پر کلام، اور اسی طرح سے بعض اصحاب تعالیق کے اوہام کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ مذکورہ کتابوں سے امام حمیدیؒ نے جو کچھ اضافہ کیا ہے، اسے اصل کتاب سے علیحدہ رکھا ہے۔ حمیدیؒ نے ابن عبد البرؒ وغیرہ کے یہاں سماعِ حدیث کیا، اور ابن حزمؒ کے یہاں اخذ علم میں لگے رہے۔ ظاہری مسلک کو اختیار کرنے کی وجہ سے، اپنے شیخ ابن حزمؒ کے ساتھ موصوف پر بھی آزمائش کا دور آیا، اس کے بعد آپ وہاں سے فرار ہو کر مشرقی ممالک کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد بغداد میں اپنی وفات تک اپنے ظاہری مسلک کو ظاہر کرنا ترک کر دیا تھا۔ اگر موصوف نے اپنی کتاب کو ابوابِ فقہیہ کے مطابق مرتب کیا ہوتا، تو پھر اس کتاب کا فائدہ دوبالا ہو جاتا، اور احادیث احکام کے ساتھ اشتغال رکھنے والے علماء اور طلبہ کے لیے بھی اس

حاصل کرنی چاہیے، اور ان کتابوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح سے امام بیہقیؒ کی

میں کافی سہولت ہوتی۔ رہا مسئلہ الأحکام کا، تو اس کے مصنف حافظ عبد الحق اشبیلیؒ متوفی ۵۸۱ھ ہیں۔ موصوف کی یہ کتاب معروف بہ الأحکام الکبری انتہائی انوکھے انداز سے وضع کی گئی ہے۔ یہ واقعی ایک انتہائی نافع تصنیف ہے۔ اس کی ترتیب ابوابِ فقہیہ کے مطابق رکھی گئی ہے۔ مؤلف نے ان احادیث کو موطا، کتب خمسہ، اور ابن ابی شیبہ وغیرہ سے اخذ کیا ہے۔ اس کتاب کی اکثر احادیث احکام سے تعلق رکھتی ہیں، اسی طرح سے ترغیب وترہیب، اور ادعیہ واذکار، اور فتن اور تفسیر سے متعلق بھی چند احادیث ہیں۔ مؤلف اس کتاب میں احادیث پر کلام فرماتے ہیں، اور اسی طرح سے ابن عدی کی الکامل، دار قطنیؒ کی العلل، اور العلل لابن أبي حاتم وغیرہ سے اخذ کرکے رواۃ پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ تاہم یہ کتاب اوہام سے پاک نہیں ہے۔ اسی لیے ابو الحسن ابن القطان فاسیؒ متوفی ۶۲۸ھ نے اس کتاب پر نقد کرتے ہوئے اپنی شاندار اور لاجواب کتاب بیان الوهم والإیهام الواقعین في کتاب الأحکام تصنیف کی، یہ اور بات ہے کہ ابن القطانؒ نے نقدِ رجال میں بعض دفعہ تعنت سے کام لیا ہے۔ رہا مسئلہ ضیاء الدین مقدسیؒ متوفی ۶۴۳ھ کی کتاب الأحادیث المختارة کا، تو اس کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے مؤلف نے اس کتاب میں ان احادیث کا استخراج کیا ہے جو صحیحین میں موصولاً موجود نہیں ہیں۔ مؤلفِ کتاب کبھی کبھی ایسی جید اسانید کی احادیث کا ذکر کردیتے ہیں جس کے بارے میں کوئی علت پائی جاتی ہے؛ لیکن موصوف اس حدیث کی علت کی تردید کے لیے اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ ضیاء الدین مقدسیؒ کی تصحیح امام ترمذیؒ کی تصحیح کے قریب مانی جاتی ہے، اور اس کا التزام مصنف صرف حلال وحرام سے متعلق احادیثِ فقہیہ کے بارے میں کرپاتے ہیں۔ کیوں کہ کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ مؤلف نے تساہل کی بنا پر اپنے ہم مشرب احباب سے متاثر ہونے کی وجہ سے حماد بن سلمہؒ جیسے راوی کی حدیث أخرج خنصره علی إبهامه فساخ الجبل کی تصحیح کرنے لگتے ہیں۔ اس کتاب کو طویل اسانید کے ساتھ مسانیدِ صحابہ کی ترتیب کے مطابق وضع کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے عشرہ مبشرہ، اور اس کے بعد دیگر صحابہ کی احادیث کو ان کے اسماء کے اعتبار سے حروف تہجی کے مطابق رکھا گیا ہے۔ ضیاء الدین مقدسیؒ نے حمیدیؒ کی ترتیب کا لحاظ بالکل ہی نہیں کیا ہے حالانکہ موصوف کو حمیدیؒ ہی کے کلام ولو تفرغ بعضهم لتتبع الصحیح من غیر الصحیحین لکان حسنا سے یہ رہنمائی ملی کہ اس انداز پر کوئی کتاب لکھی جانی چاہیے۔ ایک طرح سے موصوف کی کتاب حمیدیؒ کی کتاب کا تکملہ ہے۔ اگر موصوف نے اس کتاب کو ابوابِ فقہیہ کے مطابق جمع کیا ہوتا، تو اس کا فائدہ اور بھی زیادہ عام ہوسکتا تھا۔ (کوثریؒ)

تصانیف بھی بہت نافع ہوتی ہیں، لہذا ان کا حصول بھی اہم ہے۔ الإلمام بأحاديث الأحكام جیسی مختصر اور نافع کتاب ملنی مشکل ہے، لہذا اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ (۹)

ایسے جاہل قسم کے مشائخ کے یہاں سماعِ حدیث کا کیا فائدہ جو خود سوتے رہتے ہیں اور بچے کھیلتے رہتے ہیں، اور بالغ طلبہ گپ شپ میں لگے ہوتے ہیں اور مذاق تک کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کی مجالس میں اکثر لوگ بیٹھے اونگھتے رہتے ہیں۔ عبارت خوانی کرنے والا طالبِ علم تصحیف کرتا رہتا ہے۔ یہ لوگ بس او کما قال میں لگے رہتے ہیں۔ بچے درسگاہ میں چیختے رہتے ہیں۔ (۱۰)

---

(۹) امام بیہقیؒ کی تصانیف روایتی پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کافی مفید ہیں خصوصاً موصوف کی کتاب معرفة السنن و الآثار۔ مذہبِ شافعی کی تائید و تقویت کے لیے آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی؛ لیکن یہ کتاب اوہام سے خالی نہیں ہے؛ اور اسی طرح سے اس کتاب میں تعصب کی بناپر بعض دفعہ غیر منصفانہ کلام بھی پایا جاتا ہے۔ لہذا اس کے تدارک کے لیے الجوهر النقي في الرد على البيهقي کا مطالعہ ضروری ہے۔ اللہ رب العزت بیک وقت کثرتِ روایت اور حسن نقد کی دولت سے کم ہی لوگوں کو نوازتے ہیں۔ رہا مسئلہ امام ابن دقیق العیدؒ کی کتاب الإلمام بأحاديث الأحكام کا، تو یہ واقعی ایک انتہائی مفید مختصر ہے؛ لیکن اس کتاب میں بعض احادیث کو تخریج کرتے وقت غلط مصادر کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے۔ امام قطب الدین عبدالکریم حلبیؒ نے بڑا اچھا کام کیا ہے کہ اس کتاب کی تلخیص کر دی ہے، اور اسی طرح سے اس کے اوہام کی اصلاح کر دی ہے، اور اس کا نام رکھا ہے الاهتمام بتلخيص كتاب الإلمام۔ ایک طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کتابوں کو کسی ایسے متقن اور محقق عالم کے یہاں پڑھے جو روایت و درایت میں مہارت رکھتا ہو، تاکہ ان حضرات سے جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ اس میں نہ پڑے۔ (کوثریؒ)

(۱۰) مصنف کے دور میں اور ان سے پہلے مجالسِ سماع میں جو لوگوں کا جمِ غفیر ہوتا تھا، ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ سماع کے رجسٹر میں ان سب کا نام درج کر لیا جائے — جن میں دودھ پیتے بچے، نوجوان، ادھیڑ عمر، بوڑھے، مرد و خواتین سبھی شامل ہوا کرتے تھے — تاکہ یہ اس بات کا ثبوت رہے کہ یہ مجلسِ سماع میں حاضر تھے، اور یہ کہ انھوں نے فلاں کتاب کا سماع کیا ہے۔ چنانچہ محض اس رجسٹر میں اپنا نام درج کئے جانے کی بناپر، اس جماعت کا ایک شخص ایک طویل زمانہ گذر جانے کے بعد سماع کی اجازت دینے والے اس شخص سے اسی کتاب کو روایت کرتا۔ ظاہر ہے ایسا شخص نہ تو اصل شیخ کے الفاظ کو ضبط کر سکتا ہے، اور نہ ہی اسے قاری کی قراءت یاد ہوتی ہے۔ اجازات میں محدثین نے اتنا تساہل کیا ہے جو

خدا کے لیے یہ سب بند کرو۔ متکلمین اور اہلِ نظر علماء کے یہاں ہم لوگ مذاق بن چکے ہیں۔ یہ لوگ اب ہمیں دیکھ کر فقرے کسنے لگے ہیں اور کہتے ہیں: یہ ہیں اہلِ حدیث۔ میں سمجھ رہا ہوں تیرے لیے میری نصیحت نافع نہیں ہوگی۔

حدیث تو اتنا مقدس موضوع ہے کہ اگر اس میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوتا، پھر بھی یہ ان بہت سے اقوال اور خرافات سے بدرجہا بہتر ہے جو دینِ اسلام کے ساتھ متصادم ہیں، اور ایمان ویقین کا خاتمہ کر دیتے ہیں، اور انسان کو اسفل السافلین میں پہونچا دیتے ہیں۔

لیکن تو تو مجھے لگتا ہے بہت دھوکہ میں ہے۔ تیری روح میں اسلام کی حقیقی محبت سمائی ہوئی نہیں لگتی، اور نہ ہی تو نے علماءِ اہلِ حدیث کو دیکھا ہے۔ متقدمین اتنے عالی الاسناد ہوتے تھے کہ ان کے اور اللہ کے درمیان صرف ایک نبی معصوم بحیثیت راوی ہوا کرتا تھا۔ یہ معصوم جبریل سے روایت کرتا اور جبریل اللہ رب العزت سے۔ علمِ حدیث وہ بلند علم ہے جس کی طلب ابو بکرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، حافظ ابو ہریرۃؓ، ابن عباسؓ، اور دیگر اکابر نے کی ہے۔ ان میں سے ایک جماعت کو لمبی عمر ملی، اور یہ حضرات عالی الاسناد بنے، اور روایت کے لیے ان حضرات کا ایک حلقہ بنا، اور ان سے مسروقؒ، ابن المسیبؒ، حسن بصریؒ، شعبیؒ، عروہؒ، اور ان

بیان سے باہر ہے۔ اسانیدِ عالیہ میں سماع کی اجازت دینے والے عموماً کھوسٹ اور تخلیط کے شکار شیوخ ہوتے تھے، اور عموماً ان سے سماع کی اجازت حاصل کرنے والے تحمل اور اخذ کے وقت چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے تھے۔ اس طرح سے ان کی اسانید عالی ہوجاتی تھیں۔ مصنفِ کتاب امام ذہبیؒ اپنی کتاب میزان الاعتدال في نقد الرجال ج ۱ ص ۴۸ میں فرماتے ہیں: "اگر میں اس کتاب میں اس طرح کے شیوخ کے تضعیف کا دروازہ کھول دوں، تو پھر شاذونادر ہی کوئی محفوظ رہ سکے گا کیوں کہ اکثر شیوخ کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا روایت کر رہے ہیں، اور وہ اس فن سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ ان کا واحد فائدہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے بچپن میں سماعِ حدیث کیا تھا، اور بڑھاپے میں ان کے علوِ سند کی ضرورت پڑ گئی۔" میری کتاب عتب المغترين بدجاجلة المعمرين میں آپ کو اس طرح کے عجیب وغریب واقعات ملیں گے۔ (کوثریؒ)

جیسے بہت سے اکابرِ محدثین، علماءِ روایت و درایت، عباد و زہاد، صدیقین اور صالحین، اور دیگر ماہرین نے روایتِ حدیث کی۔ اسی جماعت کے علمی دسترخوان سے آسودگی حاصل کرنے والے طالبین حدیث میں زہریؒ، قتادہؒ، اعمشؒ، ابن جحادہؒ، ایوبؒ، ابن عونؒ، اور اسی طرح سے، اوزاعیؒ، ثوریؒ، معمرؒ، حمادانؒ، زیادہؒ، مالکؒ، اور لیثؒ وغیرہ جیسے ائمہ روزگار ہیں۔ اسی طرح سے ابن المبارکؒ، یحیی ابن القطانؒ، ابن مہدیؒ، یحیی بن آدمؒ، امام شافعیؒ، اور قعنبیؒ وغیرہ کے شیوخ بھی اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر اس جماعت کے جانشینوں میں احمد بن حنبلؒ، اسحق بن راہویہؒ، ابن المدینیؒ، یحیی بن معینؒ، ابو خیثمہؒ، ابن نمیرؒ، ابو قریبؒ، اور بندارؒ جیسی کوہ قامت شخصیتیں ہیں۔ اس کے بعد کے طبقہ میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابو داودؒ، امام نسائیؒ، ابو زرعہؒ، ابو حاتمؒ، محمد بن نصرؒ، صالح جزرہؒ، ابن خزیمہؒ، اور اس کے علاوہ اور بھی ہزاروں حفاظِ حدیث، اور ناقلینِ سنت نبویہ کا تابندہ و درخشندہ کہکشاں ایک ہی زمانہ میں آسمانِ علم و فن پر جلوہ افروز تھا۔

اس کے بعد سے دن بدن اس علم میں انحطاط و ادبار آتا گیا۔ تیسری صدی کی بنسبت چوتھی صدی میں اس فن میں واضح کمی آگئی۔ تب سے لے کر آج تک یہ فن زوال کی طرف بڑھتا رہا ہے۔ ہمارے زمانے کا سب سے بڑا محدث قدیم زمانہ کے ایک معمولی طالبِ حدیث کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ (۱۱)

---

(۱۱) سبحان اللہ کتنی عجیب بات فرمائی امام ذہبیؒ نے۔ آج کے سلفیوں کے لیے ذہبیؒ کا یہ تبصرہ بہت ہی اہم ہے۔ ناصر الدین البانیؒ کو یہ لوگ قدیم حفاظ و محدثین سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ دنیائے سلفیت میں بخاریؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ، نوویؒ، منذریؒ، ابن الصلاحؒ، ابن دقیق العیدؒ، ذہبیؒ، مزیؒ، زیلعیؒ، عینیؒ، ابن حجرؒ، سیوطیؒ، اور مناویؒ وغیرہ دیگر بلند پایہ محققین و ناقدین، اور حفاظِ حدیث وائمہ جرح و تعدیل کی تصحیح و تضعیف کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو البانی کو ہے۔ عصر حاضر میں احادیث و سنن کی مطبوعہ کتابیں البانیؒ کے معتمد اور غیر معتمد احکام سے بھری ہوتی ہیں۔ معاصرین میں کئی علماء نے ناصر الدین کی بے بضاعتی، احادیث سے متعلق موصوف کے صادر کردہ احکام میں غیر معمولی تناقض، شدید تعصب اور طرفداری کا اظہار کیا ہے۔ محدث الہند مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ، شیخ محمود سعید ممدوح، اور شیخ حسن سقاف اُن چند علماء میں ہیں جنھوں نے

قدیم زمانہ میں کتنے ایسے لوگ ہوتے تھے جو فقہ اور رائے میں شہرت رکھتے تھے، اس کے باوجود وہ لوگ آج کل کے محدثین سے بہتر ہوتے تھے۔ قدیم زمانہ کے فلاسفہ اور متکلمین ہمارے دور کے مشائخ حدیث سے زیادہ احادیث و آثار کے ماہر ہوتے تھے۔

حقیقی محدثین کی تو بس ایک چھوٹی سی جماعت ہی دیکھی ہے میں نے جیسے دیارِ مصر کے قاضی، اور جلیل القدر عالمِ دین امام تقی الدین ابن دقیق العیدؒ، حافظ شرف الدین دمیاطیؒ، حافظ جمال الدین بن الظاہریؒ، شیخ شہاب الدین احمد بن فرح اشبیلیؒ وغیرہ۔ اسی کے ساتھ ساتھ میں نے طالبین حدیث کی ایک ایسی جماعت بھی دیکھی ہے جو صالح نیت کے حامل نہیں تھے جیسے شہاب الدین ابن الدقوقی، نجم الدین ابن الخباز، اور شیخ عبدالحافظ وغیرہ۔

لیکن خدا کا شکر ہے ہمارے زمانے میں ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو علمِ حدیث کو کماحقہ سمجھتے ہیں، اور احادیث و آثار سے انھیں کافی اعتناء ہے جیسے امام مزیؒ، ابن تیمیہؒ، برزالیؒ، ابن سید الناسؒ، قطب الدین حلبیؒ، تقی الدین سبکیؒ، قاضی شمس الدین حنبلیؒ، ابن قاضی القضاۃؒ، بدر الدین بن جماعہؒ، صلاح الدین بن العلائیؒ، فخر الدین ابن الفخرؒ، امین الدین ابن الوانیؒ، ابن امام ام الملک الصالحؒ، محب الدین مقدسیؒ، اور عبداللہ بن خلیلؒ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور ایک جماعت بھی ہے جن میں کھرے کھوٹے بھی موجود ہیں۔ خدا ہم سب کی مغفرت کرے۔ انسان کا حشر انھیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔ بڑے نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ہمیشہ چاق و چوبند رہتے ہیں، اور خدا کی اطاعت کے لیے ہمہ وقت کمربستہ رہتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو توفیق اور ہدایت سے ہمکنار کرے۔

البانیؒ کے نہج میں شذوذ، جمہور کے طرز سے انحراف، اور سلف کے یہاں معمول بہ تطبیقی اصول وضوابط سے خروج کی نشاندہی کی ہے۔ (انوار)

ج

مالکیہ

مالکی فقہاء کے اندر کافی خیر ہے۔ اس مذہب کے علماء میں اتباعِ سنت کا کافی جذبہ پایا جاتا ہے، اور فی الجملہ یہ حضرات اصحابِ علم و فضل ہوتے ہیں۔ لیکن اس مذہب کے قضات اور مفتیوں کے اندر ایک عیب یہ پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ تکفیر اور اسی طرح سے کسی کو قتل کرنے کا فتوی دینے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ حاکم اور مفتی کے لیے احتساب و مراقبہ انتہائی ضروری ہے۔ کوئی بھی حکم یا فیصلہ صادر کرنے سے پہلے کافی غور و فکر کر لینا ضروری ہے تا کہ وہ محض اپنے امام کی تقلید میں آ کر کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے خصوصاً ایسا فیصلہ جس کا تعلق کسی کا خون بہانے سے ہو۔ اللہ رب العزت نے ان حضرات پر اپنے امام کی تقلید کو واجب نہیں قرار دیا ہے۔ مالکی فقہاء اپنے امام کے قول کو اخذ بھی کر سکتے ہیں، اور ترک بھی۔ خود ان حضرات کے امام کا مشہور جملہ ہر ایک جانتا ہے: "ہر شخص کا قول اخذ بھی کیا جا سکتا ہے، اور ترک بھی، سوائے اس ذات کے جو اس قبر کے اندر ہے۔"

ارے جناب جب تم کل قیامت کے روز اللہ کے سامنے کھڑے ہو گے، اور اس نے تم سے سوال کر لیا کہ تو نے فلاں کو کیوں مباح الدم قرار دیا؟ تو پھر تم کیا حجت پیش کرو گے؟ اگر تو نے یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنے امام کی تقلید میں یہ فیصلہ جاری کیا تھا، تو پھر تم سے کہا جائے گا کہ میں نے تمھارے اوپر تمھارے امام کی تقلید کو تو واجب نہیں قرار دیا تھا۔ صحیح حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے پہلے ناحق خون کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔" ایک دوسری حدیث میں ہے: "جب تک انسان کسی ناحق خون میں ملوث نہ ہو، وہ اپنے دین کے بارے میں وسعت میں ہوتا ہے۔" ہاں، اگر

تمھیں کوئی زندیق نظر آئے، اور تمھیں ایسا لگے کہ وہ واقعی خدا کا دشمن ہے، تو پھر اپنے ضمیر سے پوچھنے کے بعد، استخارہ کرکے، خوفِ خدا دل میں رکھتے ہوئے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کا خون بہادے [۱۲]۔

---

(۱۲) جو زندیق بظاہر اسلام کی ہمنوائی کرتا ہے؛ لیکن اندر سے اسلام کا دشمن ہوتا ہے، اور مسلمانوں کے درمیان اپنے فکری جراثیم پھیلاتا رہتا ہے، عموماً اس کے شر اور فساد کا ازالہ محض دنیاوی طور پر اس کے توبہ کو قبول کرکے آسان نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ ایسے لوگ وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اور بوقتِ ضرورت کوئی بھی بھیس اختیار کرلیتے ہیں۔ ایسے زنادقہ کا کوئی مضبوط مسلک نہیں ہوتا ہے۔ اسی لیے امام مالکؒ نے فرمایا ہے: "زندیق کی توبہ نامعلوم ہے، اسی لیے اسے قتل کردیا جائے گا، اگرچہ وہ توبہ کا اظہار کرے۔ ایسے لوگوں کی توبہ قابلِ قبول نہیں ہے۔" امام مالکؒ نے یہ نظریہ قرآن کریم کی آیت: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا النساء (۱۳۷) کے پیش نظر قائم کیا، اسی طرح سے آپ نے اس حدیث کے ظاہر نص پر عمل کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ. صحیح البخاري مع عمدة القاري ج ۲۴ ص ۱۱۹ برقم ۶۹۲۲ اور اسی طرح سے ابو موسی اشعریؓ کے فتوی کو بھی آپ نے بنیاد بنایا، اگرچہ اس نظریہ کے مخالفین میں حضرت عمرؓ، اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں تمام علماءِ اسلام نے جب جب زنادقہ اور ملحدین کے فتنوں نے شدت اختیار کیا، امام مالکؒ کے مسلک پر ہی عمل کیا ہے کیوں کہ دیگر ائمہ کے قول کے مطابق ایسی صورت میں ان خبیثوں کے فتنہ کا ازالہ ممکن نہ تھا۔ علماءِ اسلام نے عباسی خلیفہ مستظہر باللہؒ کے دور میں بغداد میں قرامطہ کے حق میں یہی رویہ اختیار کیا تھا، اور اسی طرح سے باطنی فرقہ کے حق میں عبیدی سلطنت کے زوال کے بعد مصر میں امام مالکؒ ہی کے فتوی پر عمل کیا گیا تھا۔ ان احوال میں اہل اسلام کے لیے مصلحت اسی میں تھی کہ امام مالکؒ کے قول پر عمل کیا جائے۔ علماءِ مغرب (اندلس) میں بقی ابن مخلدؒ اور ابن المواز جیسے جلیل القدر ائمہ نے اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی مخالفت کی ہے اور یہ دونوں دیگر ائمہ کے ساتھ ہیں۔ بعض دفعہ کچھ لوگ اس مسئلہ کو لے کر مالکی حضرات پر نکتہ چینی کرتے ہیں، حالانکہ بعض حالات میں مسلمانوں کی مصلحت امام مالکؒ کے فتوی پر کاربند رہنے ہی میں ہے۔ اس طرح کی غیر سنجیدہ نکتہ چینی اہل علم حضرات کے شایانِ شان نہیں ہے۔ إنتصار الفقير السالك لترجيح مذهب الإمام مالك کے مصنف

حنفیہ

حنفی فقہاء تحقیق و تدقیق، قیاس ورائے، اور ذہانت وژرف نگاہی کے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں۔ واقعی یہ لوگ بڑے اچھے ہوتے ہیں اگر یہ حضرات ربا اور ابطالِ زکاۃ سے متعلق حیلہ سازی،(۱۳) اور نقر فی الصلاۃ (یعنی ارکانِ صلوۃ کی جلد جلدی ادائیگی) سے اپنے آپ کو بچائے

بیان فرماتے ہیں: "میں نے ایک شخص کو شانِ نبوت میں ایسا کلام کرتے ہوئے دیکھا جو نامناسب اور گستاخانہ تھا۔ چنانچہ میں نے یہ مسئلہ شافعی قاضی القضات یعنی ابن حجرؒ کے سامنے پیش کر دیا، اور موصوف کے سامنے پورا قصہ سنا دیا۔ اس پر قاضی القضات نے مجھ سے کہا: "یہ مسئلہ مالکی علماء کے یہاں لے کر جاؤ، اور اس کی ذمہ داری امام مالکؒ کے کندھوں پر لادو۔" تعصب کی وجہ سے موصوف (ابن حجر) نے اپنے مذہب کی مخالفت کی۔ حق تو یہ تھا کہ موصوف دعوی سنتے، اور اس شخص کو اس مذہب کی رو سے قتل کا نشانہ نہ بننے دیتے جس کے بارے میں موصوف کا عقیدہ تھا کہ یہ مذہب غلط ہے، اور خود ان کا مذہب صحیح ہے تا کہ اس شخص کی توبہ قبول کر لی جاتی۔ امام مالکؒ کا مذہب توبہ قبول کرنے کو تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ موصوف نے اس شخص کو قتل کا نشانہ بنا دیا، جب کہ اس کے بارے میں موصوف کا عقیدہ تھا کہ یہ غلط مذہب ہے، اور اس طرح سے امام مالکؒ کے ساتھ موصوف نے گستاخی کا ارتکاب کیا۔ جن حضرات کے دین میں رقت ہوتی وہ مالکی قلمرو میں مالکی قضات سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ (کوثریؒ)

(۱۳) صحیح بات تو یہ ہے کہ ایسی حیلہ سازی جو احکامِ اسلامیہ اور اصولِ شریعت کے اسقاط اور الغاء کا سبب بنے اس کا مرتکب وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا دین کمزور ہو اور جس کا ایمان متزلزل ہو۔ تاہم بغیر کسی حق کے ابطال یا کسی باطل کے احقاق کے ایسی لطیف تدابیر سے پریشانیوں سے خلاصی حاصل کرنا جو نصوصِ شریعت سے متصادم نہ ہوں وہ قرآن و سنت کی روشنی میں مندوب و مستحسن ہیں، اور تمام سلف و خلف کا اس پر اجماع رہا ہے۔ اس طرح کے لطیف اور دقیق طریقوں کی نشان دہی کمالِ براعت، اور غیر معمولی فقہی ذکاوت و بصیرت کی علامت ہے بشرطیکہ یہ مذکورہ خرابیوں کا موجب نہ بنیں۔ حیل زیادہ تر وہ فقہاء پیش کرتے ہیں جن کا تعلق قضاء سے کافی عرصہ تک رہا ہو۔ مذموم

حیلہ بازی کی مثال ایسے شاذ اقوال کے مطابق فتوی بازی ہے جنھیں دلائل سے مضبوط نہ کیا جا سکے، یا جس کی تائید میں ایسی ضعیف روایات پیش کی جاتی ہوں جو نقد و تمحیص کے بعد کھوکھلی محسوس ہونے لگیں، بظاہر کتنے ہی خوبصورت انداز میں انھیں کیوں نہ پیش کیا جائے۔ جو گستاخ اس حرکت کا ارتکاب کرے گا، اسے روزِ قیامت میں سخت حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔ رہے وہ واقعات جن میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قاضی ابو یوسفؒ نے کچھ شرعی حیلوں کو پیش کرکے ہارون الرشیدؒ کے دربار میں اپنا مقام بنایا، اور اس کے نتیجہ میں خلیفہ ہارونؒ نے موصوف کو قضاء کے عہدہ سے سرفراز کیا، یہ سب سرے سے من گھڑت ہیں، اور اسی طرح سے وہ واقعہ بھی من گھڑت ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ امام مالکؒ نے ہارون الرشیدؒ کو بہت سے مسائل میں رخصت دی تھی۔ کیوں کہ امام ابو یوسفؒ کو رشیدؒ کے دورِ خلافت سے پہلے ہی ہادیؒ کی خلافت میں ہی قضاء کے عہدے سے سرفراز کر دیا گیا تھا، اور آپ اس عہدہ پر ہارون الرشیدؒ کے زمانہ تک برقرار رہے جیسا کہ مؤرخ سمعانیؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کسی کے سامنے جھکنے والے نہیں تھے جیسا کہ آپ کی کتاب الخراج اور اسی طرح سے آپ کی زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ امام ذہبیؒ نے امام ابو یوسفؒ کی سیرت پر مشتمل ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے جس میں امام ذہبیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے غیر معمولی علم، اور زہد و ورع وغیرہ کی خوب تعریف کی ہے، حالانکہ امام ذہبیؒ کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ موصوف اس طرح کے علماء کی سیرتوں کے بارے میں بہت توسط سے کام لیتے ہیں۔

اسی طرح سے عباس بن مصعبؒ نے تاریخ مرو میں عقیل بن عنبسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عقیل نے امام محمد بن الحسنؒ سے کہا: "میرے پاس کافی مال ہے پھر بھی سالوں سے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوئی ہے۔" امام محمدؒ نے فرمایا: "وہ کیسے؟" اس پر عقیل نے جواب دیا: "حولانِ حول سے پہلے ہی میں اپنا سارا مال اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیتا ہوں۔" یہ جواب سن کر امام محمدؒ نے فرمایا: "واقعی تم فقیہ ہو۔" لیکن یہ واقعہ ناقابلِ قبول ہے کیوں کہ ابن عنبسہ مجہول ہے، اور یہ شخص نہ تو احناف کے یہاں فقہ میں معروف ہے اور نہ ہی محدثین کے یہاں اس کی کوئی روایت ہے۔ امام محمدؒ کی کتابوں میں اس طرح کی کوئی بھی چیز نہیں پائی جاتی ہے۔ خود امام محمدؒ بیع العینہ کے بارے میں فرماتے ہیں: "یہ بیع میرے نزدیک انتہائی مذموم اور سخت مکروہ ہے۔" رہا مسئلہ امام ابو یوسفؒ کا اس بیع کو جائز کرنے کا تو ہمارے علماء نے اس جواز کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب کہ عین اس کے مالک کی

رکھیں، اوران مسائل پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں جن کے خلاف ان حضرات کواحادیث دستیاب ہو جائیں۔ (۱۴)

جانب لوٹ کر نہ آئے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں دونوں (ابو یوسفؒ اور محمدؒ) متفق ہیں۔ ذہبیؒ نے امام محمدؒ کی سیرت میں محمد بن سماعہؒ کے حوالہ سے امام محمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "یہ کتاب یعنی کتاب الحیل ہماری تصنیف نہیں ہے، اس کو تو کسی نے وضع کر دیا ہے اور ہماری جانب منسوب کر دیا ہے۔" اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس دور میں کچھ غیر محتاط لوگوں کے ذریعہ عوام میں حیَل کے موضوع پر کوئی کتاب شائع کر دی گئی تھی، اور اس کتاب پر کسی خاص مؤلف کا نام مذکور نہیں تھا، جس کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کتاب امام ابو حنیفہؒ کے کسی شاگرد کی لکھی ہوئی ہو گی، جب کی یہ بالکل غلط تھا۔ (کوثریؒ)

(۱۴) ایسا لگتا ہے ذہبیؒ ان چند مسائل کی جانب اشارہ کر رہے ہیں جن کو لے کر ابن ابی شیبہؒ نے امام ابو حنیفہؒ پر تنقید کی ہے حالانکہ یہ اکثر مسائل مختلف الحدیث کی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور ایسی صورت میں ایک حدیث ایک مجتہد کے نزدیک راجح ہو سکتی ہے اور وہی حدیث دوسرے مجتہد کے نزدیک مرجوح کیوں کہ مجتہدین کے اصول ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان مسائل کے سلسلہ میں بحث و تمحیص کے لیے خاص قسم کی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ پریشانی کی بات یہ ہے کہ فقہاء کی علمی سطح عموماً محدثین کے یہاں اچھی طرح سے واضح نہیں ہو پاتی ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات فقہاء کے بارے میں اپنا منفی حکم صادر کرنے میں جلد بازی کر جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس موضوع پر کلام کرنے سے پہلے علمِ اختلاف، اصولِ جدل و مناظرہ، اور اصولِ فقہ کے اندر اچھی طرح سے مہارت حاصل کی جائے اور ساتھ ساتھ احادیثِ احکام، عللِ حدیث، آیاتِ احکام، اور تفسیر احکام، اور اسی طرح سے قبولِ احادیث کے سلسلہ میں شروطِ ائمہ، اور وجوہِ ترجیح وغیرہ پر وسیع نظر رکھنی ضروری ہے۔ اس میدان میں قدم اٹھانے والے شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنی حیثیت سے تجاوز کرے اور دیگر فقہاء کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنا شروع کر دے۔ علامہ نجم الدین طوفی حنبلیؒ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں شرح مختصر الروضۃ ج۳ ص۲۹۰ میں فرماتے ہیں: أنَّهُ قَطْعًا لَمْ يُخَالِفِ السُّنَّةَ عِنَادًا، وَإِنَّمَا خَالَفَ فِيمَا خَالَفَ مِنْهَا اجْتِهَادًا لِحُجَجٍ

ارے صاحبو، شک کی حالت سے نکل کر یقین کی جانب بڑھو، اور اپنے دین کی خاطر حتی الوسع احتیاط کرو۔ ہمیشہ یہی بات ذہن میں نہ رکھو کہ بس اپنے ہی مذہب کو قوی بتانا ہے۔ واقعی جو شخص شبہات سے بچتا ہے، وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کے لیے حفظ وامان حاصل کرلیتا ہے۔

اگر تو احکام طہارت و غسل، اور وتر و قربانی وغیرہ کے سلسلہ میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کرلیتا ہے، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن اگر فقہ سیکھنے سے تیرا مقصد بحث ومباحثہ اور جدل ومناظرہ ہے، یا ہر حال میں اپنے مذہب کی تائید ونصرت ہے، یا مدارس اور مناصب کا حصول ہے تو پھر اس فقہ سے تونے آخرت کے لیے کیا کام کیا؟ تونے تو محض دنیا کے لیے ساری فقہ حاصل کی۔ میں نہیں سوچتا کہ کل قیامت کے دن تو خدائے ذوالجلال کے سامنے یہ کہہ سکے گا کہ تونے علم کو خدا کی خاطر سیکھا اور سکھایا ہے۔ اگر کل روزِ قیامت میں تونے یہ کہہ دیا کہ یہ سب کچھ تونے خدا کے لیے سیکھا ہے، تو تجھ سے اللہ یہ کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ تونے تو علم اس لیے سیکھا تھا تاکہ تیرے بارے میں لوگ یہ کہہ سکیں کہ تو عالم ہے، اور تجھے لوگ دنیا میں عالم کہہ چکے، اور تونے وہیں اس کا اجر لے لیا۔ اس کے بعد تجھے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۱۵)

وَاضِحَةٍ، وَدَلَائِلَ صَالِحَةٍ لَائِحَةٍ، وَحُجَجُهُ بَيْنَ النَّاسِ مَوْجُودَةٌ، وَقَلَّ أَنْ يَنْتَصِفَ مِنْهَا مُخَالِفُوهُ (ابو حنیفہؒ نے عناد میں آکر احادیث کی مخالفت قطعاً نہیں کی ہے؛ بلکہ آپ نے جن احادیث کی بھی مخالفت کی ہے وہ اجتہاد کی بنا پر ہے جس کے لیے آپ کے پاس واضح دلائل اور بہترین براہین موجود ہیں۔ آپ کے سارے علمی دلائل لوگوں کے سامنے موجود ہیں۔ آپ کے مخالفین بہت کم ہی آپ کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتے ہیں۔) (کوثریؒ)

(۱۵) اس پوری حدیث کو قارئین کی عبرت کے لیے یہاں نقل کر دینا انتہائی مفید ہوگا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں تکملة فتح الملهم ج۳ ص۶۵۳ برقم ۴۹۰۰ اس حدیث کو مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ «إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهِ

فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ. قَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ. فَقَدْ قِيلَ. ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ. قَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ: عَالِمٌ. وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ: هُوَ قَارِئٌ. فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ، حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ. وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ. قَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ. فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ». (قیامت کے دن سب سے پہلے ایک شہید کا حساب لیا جائے گا۔ اسے لایا جائے گا اور اللہ رب العزت اس کے سامنے اپنی نعمتیں بیان کریں گے، اور وہ ان کو پہچان جائے گا۔ اللہ رب العزت اس سے پوچھیں گے: تو نے اس پر کس حد تک عمل کیا؟ وہ جواب دے گا: میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ مجھے شہید کر دیا گیا۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے: تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے تو اس لیے جہاد کیا تھا تاکہ تجھے بہادر کہا جاسکے، اور تیرے بارے میں یہ کہا جا چکا۔ پھر اس کے بارے میں خدا کا حکم ہوگا اور اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایسے شخص کا حساب لیا جائے گا جس نے علم سیکھا اور سکھایا، اور قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اللہ کی نعمتوں کے بارے میں اسے بتایا جائے گا اور وہ پہچان لے گا۔ اللہ رب العزت اس سے سوال کریں گے: تو نے اس پر کس حد تک عمل کیا؟ وہ جواب دے گا: میں نے علم کو سیکھا اور سکھایا، اور اسی طرح سے قرآن کی تعلیم حاصل کی اور یہ سب صرف تیرے لیے کیا۔ اس پر اللہ فرمائیں گے: تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے علم اس لیے سیکھا تاکہ تجھے عالم کہا جائے، اور قرآن کی تعلیم اس لیے حاصل کی تاکہ تجھے قاری کہا جاسکے، اور یہ سب تجھے کہا جا چکا۔ پھر اس کے بارے میں خدا کا حکم ہوگا اور اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایسے شخص کا حساب لیا جائے گا جس کو اللہ نے ڈھیر ساری دولت سے نوازا۔ اسے لایا جائے گا، اور اللہ کی نعمتوں کے بارے میں اسے بتایا جائے گا اور وہ پہچان لے گا۔ اللہ رب العزت اس سے سوال کریں گے: تو نے اس پر کس حد تک عمل کیا؟ وہ جواب دے گا: میں نے ہر اس راستہ میں مال خرچ کر دیا جو تجھے پسند ہے۔ اس پر اللہ فرمائیں گے: تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے اس لیے خرچ کیا تاکہ تجھے سخی کہا جائے، اور یہ تجھے کہا جا چکا۔ پھر اس کے بارے میں خدا کا حکم ہوگا اور اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔) (انوار)

یہ گمان ہرگز مت رکھ کہ تیرا مذہب تمام مذاہب میں سب سے بہتر، اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و مقبول ہے، کیوں کہ اس کے لیے تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح سے تیرے مخالف کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا مذہب سب سے افضل ہے۔ ہاں، تمام ائمہ -رحمہم اللہ ورضی عنہم- خیر پر تھے۔ ہر مسئلہ میں صواب کی صورت میں انھیں دو اجر ملے گا، جب کہ خطا کی صورت میں ایک صواب تو ملنا ہی ملنا ہے۔

شافعیہ

شافعی فقہاء دین کے سب سے زیادہ جاننے والے اور علوم شریعت کے سب سے زیادہ ماہر علماء ہوتے ہیں۔ ان کے مذہب کی بنیاد صحیح اور متصل احادیث کی اتباع پر رکھی گئی ہے۔ شوافع کے امام کا شمار اکابرِ محدثین میں ہوتا ہے (۱۲)، اور آپ کے فضائل بھی بہت زیادہ ہیں۔

اگر تو نے اس مذہب میں اس لیے کمال حاصل کیا ہے تاکہ اللہ پر تیرا یقین بڑھے اور تو اپنے آپ سے جہالت دور کر سکے تو پھر تو خیریت ہے؛ لیکن اگر تیرا مقصد اُن دیگر ضائع قسم کے فقہاء کی طرح ہے جن کا مطمحِ نظر مدارس و مناصب، دنیاداری، اور عیش و عشرت اور عمدہ پوشاک اور زرق و برق لباس ہے، تو پھر تو علم کی برکت سے محروم ہے، کیوں کہ تیری نیت ہی خالص نہیں ہے۔ تو تو بس چرب زبانی سے علم دین کو بیچنے میں لگا ہوا ہے۔ تو آخرت کا اجر دنیا میں لے رہا ہے، اور گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لاد رہا ہے، اور اللہ کی ذات سے غافل ہے۔

---

(۱۲) ذہبیؒ کے اس تبصرہ سے ابن الفراءؒ کے ذریعہ نقل کردہ امام احمدؒ کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس میں امام احمدؒ نے یہ کہا ہے کہ شافعیؒ صرف فقیہ تھے، اور انھیں فنِ حدیث میں مہارت نہیں تھی۔ اسی طرح سے قاضی عیاضؒ کا وہ دعوی بھی باطل ہو جاتا ہے جسے موصوف نے اپنی کتاب ترتیب المدارك وتقريب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك میں کیا ہے کہ فقہ اور حسن قیاس میں امام شافعیؒ کی امامت تو مسلم ہے؛ لیکن حدیث میں ان کو امامت اور مہارت حاصل نہیں تھی۔ مولفِ کتاب ذہبیؒ (علماء کی اصطلاح کے مطابق) فروعی مسائل میں شافعی، اور اعتقادی مسائل میں حنبلی تھے۔ (کوثریؒ)

اس سے اچھا تیرے لیے یہ تھا کہ تو کسی بزنس یا تجارت میں لگ جاتا۔ کم سے کم تو محنت کی حلال کمائی تو حاصل کرتا، اور اپنے آپ کو چھوٹا آدمی سمجھتا، جب کہ تو فقیہ بن کر تکبر کا شکار ہو چکا ہے۔ یا تو ان علماءِ سلف کے نقشِ قدم پر چلتا جو تجارت کے ساتھ دینداری پر قائم رہتے تھے جنھوں نے نہ تو کبھی کوئی مدرسہ دیکھا اور نہ ہی کوئی خانقاہ۔ اس کے باجود یہ حضرات دنیاداری سے اتنے دور تھے کہ اگر انھیں قضاء کے لیے حکومت کی جانب سے پیش کش کی جاتی، تو یہ حضرات فرار ہو جاتے تھے، کیوں کہ یہ لوگ حقیقی معنوں میں اپنے علم سے خدا کو راضی کرنا چاہتے تھے، اور عوام کے سامنے اس علم کو اخلاص کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ یہ حضرات پھٹے پرانے کپڑوں، اور سوکھی روٹی کے ایک معمولی ٹکڑے پر قناعت کر لیتے تھے۔ انھیں بزرگوں کی نہج پر چلنے والوں میں کچھ سالوں پہلے ہمارے ایک بزرگ، التنبیہ کے مصنف امام ابو اسحاقؒ تھے، اور ابھی کل کی بات ہے کہ المنہاج کے مصنف شیخ محی الدینؒ جلوہ افروز تھے، اور آج ہمارے سامنے ان بزرگوں کا ایک جیتا جاگتا نمونہ عبداللہ بن خلیلؒ ہیں۔

اگر چہ تو حق پر ہے، اس کے باجود کٹھ حجتی سے احتراز کر، اور اناپ شناپ کے مسائل میں الجھنے سے گریز کر۔ اپنے علم پر اترانے یا نازاں ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم اس علم کی ذمہ داری اچھی طرح سے ادا کر لے گئے، تو پھر واقعی تم بڑے سعادتمند ہو، ورنہ تو پھر خیریت نہیں ہے۔

خدا کی قسم میری نگاہوں نے ابن تیمیہؒ سے زیادہ وسیع العلم، اور ان سے زیادہ ذہین کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ موصوف کو طعام و شراب، لباس و پوشاک، اور نکاح وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر آپ کو کوئی دلچسپی تھی، تو وہ تھی اقامتِ حق کی خاطر مرمٹنا اور ہر ممکن طریقہ سے راہِ حق میں جہاد کرنا۔ ایک طویل عرصہ تک میں موصوف کی شخصیت کو سمجھنے میں لگا رہا، اور آپ کی صحیح حقیقت جاننے کے درپے رہا۔ سالہا سال بیت گئے؛ لیکن آپ کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ میرے لیے مشکل سا ہو گیا۔ میں نے خود مصر اور شام کے علماء کی ایک جماعت کو دیکھا ہے جو

موصوف سے اعراض کرتے تھے۔ موصوف کے مخالفین جو آپ سے نفرت کرتے تھے، اور آپ کی تحقیر، تکذیب اور تکفیر تک کرتے تھے، وہ محض اس لیے کہ ابن تیمیہ کے اندر کبر اور خود پسندی کی بیماری تھی، اور موصوف پر سب سے بڑا شیخ بننے کا نشہ سوار رہتا تھا، جس کی وجہ سے اکابرِ علماءِ دین تک کی تحقیر کرنے لگے تھے۔ (۱۷)

بھلا دیکھو تو سہی کہ خود پسندی اور شہرت پرستی کے نتیجہ میں ابنِ تیمیہ کس وبال کے شکار ہو گئے۔ چنانچہ وہی ہوا، ابنِ تیمیہ کی مخالفت میں کچھ ایسے لوگ کھڑے ہو گئے، جو خود زہد وورع، اور علم وعمل میں ابن تیمیہ سے بدرجہا کمتر تھے۔ ابن تیمیہ کے یہ مخالفین خود اپنے اندر اور اپنے گروہ کے لوگوں میں موجود خامیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے تھے۔ ایسا

---

(۱۷) ابن حجرؒ نے الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة میں ذہبیؒ کا یہ تبصرہ بھی نقل کیا ہے: ''جو لوگ ابن تیمیہ کے محبین اور ہمنوا ہیں، ان کا میرے بارے میں یہ خیال ہے کہ میں ابن تیمیہؒ کا پورا حق نہیں ادا کر رہا ہوں اور میں ان کا مخلص محب نہیں ہوں، جب کہ وہ حضرات جو ابن تیمیہ کے مخالفین ہیں ان کا سوچنا ہے کہ میں ابن تیمیہ کی خواہ مخواہ تعریف کرتا پھرتا ہوں اور ان کی عقیدت میں مجھے غلو ہے۔ مجھے ابن تیمیہ کے موافقین اور مخالفین دونوں ہی کی جانب سے خوب ستایا گیا ہے۔ میں قطعاً یہ نہیں سوچتا کہ ابن تیمیہؒ معصوم تھے۔ میں خود بہت سے اصولی اور فروعی مسائل میں ابن تیمیہؒ کا مخالف ہوں''۔

قابلِ تنبیہ بات یہ ہے کہ ذہبیؒ کی عادت یہ ہے کہ موصوف کسی بھی شخص کے بارے میں اپنی رائے اپنی مختلف تراجم کی کتابوں میں منتشر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا تراجم کے سلسلہ میں ذہبیؒ کی ایک کتاب ان کی دوسری کتاب سے مستغنی نہیں کر سکتی ہے۔ غور کیا جائے تو یہ ذہبیؒ کی کتابوں میں ایک بہت ہی بڑا عیب ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ طبقات وتراجم کے موضوع پر تصنیف وتالیف کا کام ذہبیؒ نے کم عمری ہی میں شروع کر دی تھی، جس کی وجہ سے بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ذہبیؒ نے بعض حضرات کی سیرت بغور ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہی اپنی کتاب کا حصہ بنالیا، پھر اس کے بعد اپنی بعد کی کتابوں میں اس کمی کی تلافی کی۔ ایک طالب علم کے لیے یہ چیز واقعی پریشانی کا موجب ہے۔ (کوثریؒ)

نہیں ہے کہ اللہ نے ابن تیمیہؒ پر ان کے مخالفین کو علم اور تقوی کی بنا پر مسلط کیا۔ بالکل نہیں۔ یہ سب اللہ نے خود ابن تیمیہؒ کی ذاتی کوتاہیوں کے نتیجہ میں کیا۔ یہ تو خیر ہوا کہ اللہ نے ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کو مزید آزمائشوں سے دور رکھا، ورنہ تو ان حضرات کو اپنی کرتوتوں کی اور بھی سزا ملنی چاہئے تھی۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن میں کسی بھی طرح کے شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حنابلہ

حنابلہ کے یہاں نافع علوم کا خزانہ ہے، اور یہ حضرات مجموعی طور پر متدین ہوتے ہیں، اور دنیاداری سے کافی دور ہوتے ہیں۔ تاہم بہت سارے لوگ ان کے عقیدہ کے بارے میں ان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں، اور انھیں تجسیم کے ساتھ مہتم قرار دیتے ہیں، اور یہ بتاتے ہیں کہ حنابلہ کا عقیدہ واقعی تجسیم کو مستلزم ہے، حالانکہ یہ حضرات اس تہمت سے بری ہیں، سوائے چند لوگوں کے [18]۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی مغفرت کرے۔

---

(18) جسمیت کا کھل کر اعتراف تو واقعی — جیسا کہ مصنف فرماتے ہیں — حنابلہ کے درمیان شاذ ونادر ہی ہے؛ لیکن معنوی جسمیت کے تو اکثر حنابلہ قائل ہیں، اور ان کے اقوال اور بیانات سے واضح طور پر جسمیت کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن اس بد اعتقادی سے تمام تیمی حضرات، امام ابن عقیل حنبلیؒ اور امام ابن الجوزیؒ اور ان کے نہج پر چلنے والے دیگر حضرات — اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے — بری ہیں۔ اعتقادی امور میں مصنف کی حالت سب جانتے ہیں، اور آپ کی کتاب العلو وغیرہ سے آپ کے اعتقادی خیالات پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ (کوثریؒ)

نحویین

نحوی اچھے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا فن بھی خوبصورت ہوتا ہے، اور اس کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن اگر نحوی صرف عربی زبان کی باریکیوں ہی میں الجھا رہا، اور قرآن اور سنت کے علوم سے بے بہرہ رہا، تو پھر اس کا فن ضائع، بے کار اور لغو ثابت ہو گا۔ یاد رہے اللہ تعالی قیامت کے دن کسی کے فن کے بارے میں سوال نہیں کریں گے۔ قرآن وسنت کے علم کے بغیر نحو میں مہارت طب، حساب، ریاضیات اور دیگر دنیاوی فنون کی طرح ایک فن سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے، جس پر نہ تو کسی کو ثواب دیا جائے گا اور نہ ہی عقاب۔ ایک نحوی کو لوگوں کے ساتھ متکبرانہ رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیے، اور نہ ہی کسی کے خلاف تحامل کرنا چاہیے۔ خدا کا خوف، تواضع اور انکساری، اور اپنی ذات کی حفاظت ہی مطمح نظر رہے۔

لغویین

لغویین تو ہمارے زمانے میں تقریباً ختم ہو چکے ہیں(۱۹)۔ آج کا فقیہ لغت سے بے بہرہ ہوتا ہے، اور آج کا قاری قرآنی الفاظ کے معانی کی تحقیق سے نابلد ہوتا ہے اور آج کا محدث حدیث کے مشکل الفاظ پر بالکل توجہ نہیں دیتا۔ یہ واقعی شدید کوتاہی، اور جہالت کی بات ہے۔ قرآن وسنت کی صحیح فہم کے لیے علم لغت کا جاننا انتہائی ناگزیر ہے۔

---

(۱۹) مصنف کے دور میں لسان العرب، مختار الصحاح، اور المصباح المنیر وغیرہ جیسی بڑی اور چھوٹی متعدد لغات تصنیف کی گئیں، جو آج تک متداول اور مستعمل ہیں۔ مصنف ہی کے زمانہ میں مجد الدین فیروزآبادیؒ اپنی معروف عربی ڈکشنری القاموس المحیط کی ترتیب وتدوین میں لگے ہوئے تھے۔ اس لیے مصنف کی شکایت اس سلسلہ میں بجا معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں اگر اس سے مراد طلبہ کی ترغیب اور ان کی تشجیع ہے، تاکہ طلبہ اس فن کی جانب کما حقہ توجہ دیں، تو پھر اور بات ہے۔ (کوثریؒ)

مفسرین

آج کل بہت ہی کم علماء تفسیر پر توجہ دیتے ہیں[۲۰]۔ آج کل کے مدرسین بس فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کا مطالعہ کر لیتے ہیں، حالانکہ اس میں ایسے اشکالات اور ایسی تشکیکات ہیں جن کا سننا تک مناسب نہیں ہے۔ اس طرح کے فلسفیانہ سوال وجواب انسانی عقل کو حیران کر دیتے ہیں، اور لوگوں کے ذہنوں میں فکری مہلک قسم کے امراض پیدا کر دیتے ہیں، جس سے علمی تشفی بالکل نہیں مل پاتی ہے[۲۱]۔ نسال اللہ العافیۃ

---

(۲۰) کتنا درست تبصرہ فرمایا امام ذہبیؒ نے۔ واقعی آج کل علماء تفسیر پر کم ہی توجہ دیتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں تفسیر پڑھنے اور پڑھانے کو زیادہ اہم بھی قرار نہیں دیا جاتا۔ ہمارے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں تکمیل تفسیر کے شعبہ کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو دیگر شعبہ جات مثلاً شعبۂ تخصص فی الحدیث، شعبۂ عربی ادب، اور شعبۂ افتاء وغیرہ کو ہے۔ اربابِ بست وکشاد کے لیے ضروری ہے کہ اس شعبہ پر شایانِ شایان توجہ دیں، اعلیٰ قسم کے ماہر مدرسین اس شعبہ کی کلاسوں کو سنبھالیں، اور اسی طرح سے اس کے لیے اعلیٰ ترین طلبہ کا انتخاب عمل میں آنا چاہیے تاکہ واقعی ہم کلام اللہ کو اس کے شایانِ شان اہمیت دے سکیں۔ (انوار)

(۲۱) امام رازیؒ نے اس تفسیر کے ذریعہ علماءِ امت پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ اس تفسیر میں بعض ایسی کتابوں سے حیرت انگیز علوم نقل کیے گئے ہیں جنھیں تاریخ نگل چکی ہے اور وہ کتابیں دنیا کی کسی بھی لائبریری میں اس وقت موجود نہیں ہیں۔ ہاں، اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امام رازیؒ کی تفسیر میں بعض مواخذات بھی ہیں۔ امام رازیؒ معقولات سے متعلق مباحث پر ایک بے نظیر محقق کی طرح سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ علماءِ جدل ومناظرہ کے درمیان بہت ہی کم ایسے علماء پائے جاتے ہیں جو امام رازیؒ کی طرح مخالف کے ساتھ انصاف کر سکیں۔ موصوف مخالفین کی آراء کی تصویر کشی کرتے وقت اپنی پوری صلاحیت کھپا دیتے ہیں، اور خود ان کے لیے ایسے دلائل فراہم کر دیتے ہیں جنھیں وہ خود نہیں لا سکتے تھے۔ اسی طرح سے ان کی آراء اور اس کے لیے استدلال میں کافی تطویل سے کام لیتے ہیں۔ لیکن جب مخالفین پر رد کرنا شروع

کرتے ہیں، تو اس وقت تک آپ تکان کا شکار ہو جاتے ہیں اور جواب پورا نہیں ہو پاتا، اور اس مقام پر بہت سی ایسی باتیں رہ جاتی ہیں جس پر اچھی طرح سے رد نہیں ہو پاتا؛ لیکن امام رازیؒ اسی اعتراض کا جواب اپنی تفسیر میں کسی اور جگہ ضرور تفصیل سے دے دیتے ہیں۔ یاد رہے، ذہبیؒ ایسے مباحث کا تحمل بالکل نہیں کرپاتے جو روایت اور نقل کے دائرہ سے باہر ہوں، اور عقل و درایت کے دائرہ میں آتی ہوں۔ (کوثریؒ)

امام کوثریؒ کی مذکورہ بالا تعلیق کے تکملہ کے طور پر مندرجہ ذیل چیزوں پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ امام رازیؒ کی اس تفسیر کو (التفسير الكبير) کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس کتاب کا اصل علمی نام (مفاتيح الغيب) ہے۔ کتاب کا اصل نام معروف نہیں ہے۔ شاید علماء اس کتاب پر التفسير الكبير کا اطلاق اس لیے کرتے ہیں کیوں کہ یہ تفسیر واقعی حجم اور مادہ کے اعتبار سے بہت ہی ضخیم ہے۔ کتاب کے لیے نام کے انتخاب ہی میں امام رازیؒ نے غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ اتنا بلیغ نام شاید ہی کسی تفسیری کتاب کا ہو گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دیگر اور علماء نے بھی امام رازیؒ کے بارے میں یہ شکایت کی ہے کہ موصوف کے اعتراضات قوی اور جوابات ہلکے ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان ج ۶ ص ۳۱۹ میں امام رازیؒ کے بارے میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے: وكان يعاب بإيراد الشبه الشديدة ويقصر في حلها حتى قال بعض المغاربة: يورد الشبه نقدا ويحلها نسيئة۔ (یعنی موصوف کا عیب یہ ہے کہ اعتراضات بہت ہی طاقتور انداز سے بیان فرماتے تھے؛ لیکن اس کے جواب میں کوتاہی کر جاتے تھے یہاں تک کہ بعض مغربی عالم نے یہ تبصرہ تک کر دیا ہے کہ اعتراضات نقد بیان فرماتے ہیں جب کہ اس کا جواب ادھار کر دیتے ہیں۔) اور اسی کتاب میں علامہ شر مساحی مغربیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے: يورد شبه المخالفين في المذهب والدين على غاية ما يكون من التحقيق ثم يورد مذهب أهل السنة والحق على غاية من الوهاء۔ (یعنی دین کے مخالفین کے اعتراضات انتہائی تحقیقی انداز میں بیان فرماتے ہیں جب کہ اہل سنت اور اہل حق کا مسلک انتہائی لچر انداز سے پیش کرتے ہیں۔)

امام المحققین، علامہ کشمیریؒ نے بھی امام رازیؒ کے اس رویہ کے بارے میں شکایت کی ہے۔ آپ فیض الباري ج ۱ ص ۳۵ میں فرماتے ہیں: وقد تعرَّض إليه الرازي إلا أنه لم يأت بالجواب الشافي. وقد عُرف من عادته أنه يَبسُط في الإيراد ويُجمِل في الجواب، ولذا اشتهر عنه أنه يعترض نقداً ويُجيب نسيئة۔ (رازیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے؛ لیکن موصوف تشفی بخش جواب فراہم نہ کر سکے۔ موصوف کے بارے میں یہ معروف ہے کہ اعتراض تو تفصیل سے [illegible] کرتے ہیں جب کہ جواب میں اجمال سے کام لیتے ہیں۔ اسی لیے آپ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ کا اعتراض تو نقد ہوتا ہے؛ لیکن جواب ادھار)۔ (انوار)

تفسیر کے موضوع پر سلف کے انتہائی نفیس اقوال ملتے ہیں؛ لیکن ہر آیت کی تفسیر میں تقریباً تین یا اس سے زیادہ اقوال ملتے ہیں، جس کی وجہ سے حق ان مختلف اقوال کے درمیان ضائع ہو کر رہ جاتا ہے۔ (۲۲) حق دو سمتوں میں قطعاً نہیں ہو سکتا۔ ہاں، کبھی کبھی ایک ہی لفظ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ (۲۳)

---

(۲۲) علامہ نجم الدین طوفیؒ نے اپنی کتاب الإكسير في قواعد علم التفسير میں ایک ایسا کلی معیار ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ تفسیر بالروایۃ کے باب میں مختلف اقوال کو جانچا جاسکتا ہے، اور اس طرح کے اختلاف سے بچنے کا طریقہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب واقعی نجم الدین طوفیؒ کی انتہائی شاندار اور انوکھی تصنیف ہے۔ ساتھ ساتھ تعارض اور ترجیح سے متعلق تفسیر کے قواعدِ عامہ بھی اس سلسلہ میں مفید ہوتے ہیں۔ (کوثریؒ)

(۲۳) **امام رازی کی تفسیر سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ:**

امام رازیؒ کی تفسیر کے بارے میں یہ بات مشہور کر دی گئی ہے کہ: فيه كل شيء إلا التفسير یعنی اس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے۔ سب سے پہلے یہ نقد معروف مفسر وادیب ونحوی ابو حیان اندلسیؒ توحیدی نے بعض علماء کے حوالہ سے نقل کیا اور اس کے بعد یہ بات علمی حلقہ میں کافی شہرت اختیار کر گئی، اور امام رازیؒ کی تفسیر کے ساتھ اس جملہ کو ہمیشہ کے لیے جوڑ دیا گیا۔ شاید اس کا ایک سبب یہ ہو کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں مختلف علوم وفنون کا تذکرہ فرمایا ہے، جس کی وجہ سے بعض کوتاہ بینوں کو یہ موقع مل گیا کہ امام رازیؒ نے اصل تفسیر کو چھوڑ کر دیگر خارجی علوم پر زیادہ بحث کی ہے۔ ان کوتاہ فہموں کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ امام رازیؒ نے جہاں بھی مختلف علوم وفنون کا ذکر کیا ہے، وہاں اصل قرآن کی تفسیر کو بالکل نظر انداز نہیں کیا ہے۔ امام رازیؒ صرف ایسے خارجی علمی فوائد، اسرار اور نکات کا ذکر فرماتے ہیں جو قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر میں زیادہ معین ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ طبقہ جو امام رازیؒ کی تفسیر کو ہدفِ تنقید بنانا چاہتا ہے، وہ تحقیق سے دور ہے اور ان حضرات کا تبصرہ سطحیت اور خیرہ چشمی پر مبنی ہے۔

امام ابو حیانؒ البحر المحيط ج۱ ص۵۱۱ میں فرماتے ہیں: وَقَدْ تَكَلَّمَ الْمُفَسِّرُونَ هُنَا فِي حَقِيقَةِ النَّسْخِ الشَّرْعِيِّ وَأَقْسَامِهِ، وَمَا اتُّفِقَ عَلَيْهِ مِنْهُ، وَمَا اخْتُلِفَ فِيهِ، وَفِي جَوَازِهِ عَقْلًا، وَوُقُوعِهِ شَرْعًا، وَبِمَاذَا يُنْسَخُ، وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ أَحْكَامِ النَّسْخِ وَدَلَائِلِ تِلْكَ الْأَحْكَامِ، وَطَوَّلُوا فِي ذَلِكَ. وَهَذَا كُلُّهُ مَوْضُوعُهُ عِلْمُ أُصُولِ الْفِقْهِ، فَيُبْحَثُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ فِيهِ. وَهَكَذَا جَرَتْ عَادَتُنَا: أَنَّ كُلَّ قَاعِدَةٍ فِي عِلْمٍ مِنَ الْعُلُومِ يُرْجَعُ فِي تَقْرِيرِهَا إِلَى ذَلِكَ الْعِلْمِ، وَنَأْخُذُهَا فِي

عِلْمِ التَّفْسِيرِ مُسَلَّمَةً مِنْ ذَلِكَ الْعِلْمِ، وَلَا نُطَوِّلُ بِذِكْرِ ذَلِكَ فِي عِلْمِ التَّفْسِيرِ، فَنَخْرُجَ عَنْ طَرِيقَةِ التَّفْسِيرِ، كَمَا فَعَلَهُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بن عمر الرَّازِيُّ، الْمَعْرُوفُ بِابْنِ خَطِيبِ الرَّيِّ، فَإِنَّهُ جَمَعَ فِي كِتَابِهِ فِي التَّفْسِيرِ أَشْيَاءَ كَثِيرَةً طَوِيلَةً، لَا حَاجَةَ بِهَا فِي عِلْمِ التَّفْسِيرِ. وَلِذَلِكَ حُكِيَ عَنْ بَعْضِ الْمُتَطَرِّفِينَ مِنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ قَالَ: فِيهِ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا التَّفْسِيرَ. ابو حیانؒ اس فقرہ کے آخری حصہ میں فرماتے ہیں کہ: اسی لیے بعض انتہاء پسند علماء سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض انتہا پسند سے ابو حیانؒ کی مراد ابن تیمیہؒ ہیں، کیوں کہ ابن تیمیہؒ یہ بات امام رازیؒ اور ان کی تفسیر کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے کہا کرتے تھے جس کی تصدیق مؤرخ صفدیؒ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ علامہ صفدیؒ الوافي بالوفيات ج ۴ ص ۱۷۹ میں فرماتے ہیں: قلت يوماً للشيخ الإمام العلامة قاضي القضاة أبي الحسن علي السبكي: قال الشيخ تقي الدين بن تيمية وقد ذكر تفسير الإمام: فيه كل شيء إلا التفسير، فقال قاضي القضاة: ما الأمر كذا إنما فيه مع التفسير كلّ شيء۔ (میں نے ایک دن قاضی القضاۃ ابو الحسن علی سبکیؒ سے کہا کہ شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ نے امام رازیؒ کی تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے۔ اس پر قاضی القضاۃ سبکیؒ نے تبصرہ فرمایا کہ: بات یہ نہیں ہے؛ بلکہ بات یہ ہے کہ اس میں تفسیر کے ساتھ سب کچھ ہے۔)

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ امام رازیؒ کی تفسیر کو تمام تفاسیر میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور بعد کی بیشتر تفاسیر اسی بے نظیر کتاب سے اخذ کر کے لکھی گئی ہیں، اور اس کے مختلف علمی اور فنی پہلوؤں سے تقریباً تمام مفسرین نے کسی نہ کسی حد تک استفادہ کیا ہے۔ لیکن حشویہ اور مجسمہ، اور اسی طرح سے سلفیوں، وہابیوں اور غیر مقلدین کو اس کتاب سے بہت زیادہ چڑھ ہے کیوں کہ امام رازیؒ نے اس تفسیر میں تجسیم و تشبیہ کے باطل عقائد کو اپنے دنداں شکن دلائل اور براہین کی طاقت سے پاش پاش کر دیا ہے۔ لہٰذا اس تفسیر کے سلسلہ میں ابن تیمیہؒ اور ان کے متبعین اور اسی طرح سے دیگر ظاہر پرست حضرات کی تنقید قابل قبول نہیں ہے، اور اس تفسیر کے بارے میں، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، سب سے زیادہ معتدل قول امام تقی الدین سبکیؒ شافعی ہی کا ہے کہ: اس میں تفسیر کے ساتھ سب کچھ ہے۔ (انوار)

عِلْمِ التَّفْسِيرِ مُسَلَّمَةً مِنْ ذَلِكَ العِلْمِ، وَلَا نُطَوِّلُ بِذِكْرِ ذَلِكَ فِي عِلْمِ التَّفْسِيرِ، فَنَخْرُجَ عَنْ طَرِيقَةِ التَّفْسِيرِ، كَمَا فَعَلَهُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بن عمر الرَّازِيِّ، الْمَعْرُوفُ بِابْنِ خَطِيبِ الرَّيِّ، فَإِنَّهُ جَمَعَ فِي كِتَابِهِ فِي التَّفْسِيرِ أَشْيَاءَ كَثِيرَةً طَوِيلَةً، لَا حَاجَةَ بِهَا فِي عِلْمِ التَّفْسِيرِ. وَلِذَلِكَ حُكِيَ عَنْ بَعْضِ الْمُتَطَرِّفِينَ مِنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ قَالَ: فِيهِ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا التَّفْسِيرَ. ابو حیانؒ اس فقرہ کے آخری حصہ میں فرماتے ہیں کہ: اسی لیے بعض انتہاء پسند علماء سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض انتہا پسند سے ابو حیانؒ کی مراد ابن تیمیہؒ ہیں، کیوں کہ ابن تیمیہؒ یہ بات امام رازیؒ اور ان کی تفسیر کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے کہا کرتے تھے جس کی تصدیق مؤرخ صفدیؒ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ علامہ صفدیؒ الوافي بالوفيات ج ۴ ص ۱۷۹ میں فرماتے ہیں: قلت يوماً للشيخ الإمام العلامة قاضي القضاة أبي الحسن علي السبكي: قال الشيخ تقي الدين بن تيمية وقد ذكر تفسير الإمام: فيه كلّ شيء إلا التفسير، فقال قاضي القضاة: ما الأمر كذا إنما فيه مع التفسير كلّ شيء۔ (میں نے ایک دن قاضی القضاۃ ابو الحسن علی سبکیؒ سے کہا کہ شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ نے امام رازیؒ کی تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے۔ اس پر قاضی القضاۃ سبکیؒ نے تبصرہ فرمایا کہ: بات یہ نہیں ہے؛ بلکہ بات یہ ہے کہ اس میں تفسیر کے ساتھ سب کچھ ہے۔)

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ امام رازیؒ کی تفسیر کو تمام تفاسیر میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور بعد کی بیشتر تفاسیر اسی بے نظیر کتاب سے اخذ کر کے لکھی گئی ہیں، اور اس کے مختلف علمی اور فنی پہلوؤں سے تقریباً تمام مفسرین نے کسی نہ کسی حد تک استفادہ کیا ہے۔ لیکن حشویہ اور مجسمہ، اور اسی طرح سے سلفیوں، وہابیوں اور غیر مقلدین کو اس کتاب سے بہت زیادہ چڑھ ہے کیوں کہ امام رازیؒ نے اس تفسیر میں تجسیم و تشبیہ کے باطل عقائد کو اپنے دنداں شکن دلائل اور براہین کی طاقت سے پاش پاش کر دیا ہے۔ لہٰذا اس تفسیر کے سلسلہ میں ابن تیمیہؒ اور ان کے متبعین اور اسی طرح سے دیگر ظاہر پرست حضرات کی تنقید قابل قبول نہیں ہے، اور اس تفسیر کے بارے میں، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، سب سے زیادہ معتدل قول امام تقی الدین سبکیؒ شافعی ہی کا ہے کہ: اس میں تفسیر کے ساتھ سب کچھ ہے۔ (انوار)

علماءِ اصول الفقہ

اگر تو مقلد ہے اور تیرا سوچنا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے، اور اب روئے زمین پر مجتہد کا وجود متصور نہیں ہے، تو اے مقلد پھر تو تجھے اصولِ فقہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[۲۴] اصولِ فقہ کا ثمرہ بس یہی ہے کہ اس کا حاصل کرنے والا مجتہد بن جائے۔ اگر کوئی شخص اصولِ فقہ میں مہارت حاصل کرنے کے باوجود اپنے امام کی تقلید سے آزاد نہیں ہوا، تو پھر ایسے شخص نے اس فن سے کوئی استفادہ نہیں کیا؛ بلکہ اس فن کے حصول کے لیے اپنی زندگی کا قیمتی وقت ضائع کر لیا۔ ایسا شخص بہت سے مسائل میں دلائل اپنے خلاف دیکھنے کے باوجود بھی اپنے امام کی تقلید کی وجہ سے عناد کا شکار رہتا ہے۔[۲۵] اور اگر کوئی شخص اصولِ فقہ کو اس مقصد سے حاصل

---

(۲۴) اجتہاد کے اہل حضرات کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا؛ لیکن ان جاہلوں کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے جو کسی بھی مذہب کے مطابق فقہ کے اہم مسائل کی تحقیق سے محروم ہیں، اور اس کے باوجود تمام علوم میں مجتہد بننے کا دعوی کرتے ہیں؛ حالانکہ ایسے لوگوں کے پاس سوائے چند بنیادی مسائل کی شد بد کے اور کوئی خاص صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ اسی لیے مقلدین کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اس طرح کے لایعنی مجتہد کا انتخاب نہ کریں۔ جو شخص عالم ہے، وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرے گا؛ لیکن جن لوگوں کے پاس صحیح علم نہیں ہے، وہ قرآن اور سنت کے مطابق ثقہ اہلِ علم سے علمی مسائل دریافت کریں گے۔ پوری امت کا ہمیشہ اسی پر عمل رہا ہے، آپ اس کو جس نام سے چاہیں یاد کریں۔ (کوثریؒ)

(۲۵) وجوہِ استنباط اور مجتہدین کے علمی اور اجتہادی مراتب کی بصیرت کے علاوہ اگر اس علم کا کوئی اور فائدہ نہ ہوتا، پھر بھی یہ چیز اس فن کی عظمت کے لیے کافی تھی۔ اسی فن سے قوی اور ضعیف دلائل کی شناخت ممکن ہو پاتی ہے۔ تقلیدِ جامد اور اجتہاد کے مابین بہت سے مراتب ہوتے ہیں، اسی طرح سے

کر رہا ہے تاکہ دنیوی وظائف اور مناصب حاصل کر سکے، یا اس مقصد سے تاکہ لوگ اس کی خوب واہ واہ کریں، تو پھر یہ کسی وبال سے کم نہیں، اور یہ سراسر گمراہی ہے۔

اہلِ علم کے بھی درجات متفاوت ہوتے ہیں۔ اصولِ فقہ سے اشتغال رکھنے والے شخص کے لیے یہ بات بالکل ضروری نہیں ہے کہ وہ جن مسائل میں علمی طور پر مطمئن ہے، اور اس کا ذہن اسے قبول کر رہا ہے، تو ان میں بھی وہ اتباع و تقلید کی ڈگر سے ہٹ جائے۔ ورنہ ایسا ہو گا کہ جتنے لوگ ہوں گے، اتنے ہی مذاہب اور فرقے ہوں گے۔ اسی لیے ایک عقلمند شخص اس فن کی تنقیص ہرگز نہیں کر سکتا۔ اسی نکتہ کے پیشِ نظر آپ بارہا دیکھیں گے کہ امام تقی الدین ابن دقیق العید ؒ اپنی کتاب شرح الإلمام بأحادیث الأحکام میں فرماتے ہیں: "اصولِ فقہ ہی غالب ہوتا ہے، اور اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔" (کوثریؒ)

علماءِ اصول الدین

یہ ایک عظیم الشان موضوع ہے، اور اس کا مقصد ہے کتاب وسنت کی اتباع کیوں کہ یہی دونوں دینِ اسلام کے اصول ہیں۔ لیکن عرف میں فرقوں کے اختلاف کے اعتبار سے علم اصول الدین کا مصداق بھی مختلف ہو جاتا ہے۔

سلف کے یہاں اصول الدین کہتے تھے: اللہ اور اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اس کے فرشتوں، اور اس کی صفات پر اور اسی طرح سے قدر پر ایمان لانے کو اور یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو کہ غیر مخلوق ہے، اور اسی طرح سے تمام صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ اہلِ سنت والجماعت کے یہاں اور بھی متعدد بنیادی اصول وعقائد ہیں۔

خلف کے یہاں اصول الدین کا مطلب وہ کلام اور فلسفہ پر مشتمل عقائد ہیں جن کی بنیاد ان حضرات نے عقل اور منطق پر رکھی ہے۔ سلف اس منہاج کے سالکین کی سخت مذمت کرتے تھے، اور انھیں مبتدع قرار دیتے تھے۔(۲۶) خود متکلمین کے درمیان بہت سے

---

(۲۶) سلف کے دور میں خلف موجود ہی نہیں تھے، تو پھر یہ مذمت کیسے وارد ہوگی؟ کیا سلف کا کوئی اور دین تھا اور خلف کا کوئی اور؟ خدا کی قسم یہ انتہائی سنگین جھوٹ ہے۔ مصنف کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ بنیادی عقائد کے باب میں سلف کے دو گروہ تھے جو آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ خلف میں سے بعض نے ایک گروہ کی اتباع کی اور بعض دوسروں نے دوسرے گروہ کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح سنی عقیدہ سلف اور خلف کے یہاں ایک ہی تھا جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اگر کسی چیز میں کوئی تبدیلی آئی ہے، تو وہ محض اسلام دشمن عناصر کے نت نئے اعتراضات کے پیشِ نظر دفاعِ اسلام اور رد کے اسلوب میں تغیر ضرور آیا ہے۔ رہا مسئلہ ان بعض ائمہ سلف کا جنھوں نے علم کلام کی مذمت کی ہے، تو یہ در اصل اہلِ بدع کے کلام پر محمول ہے، اور ان حضرات کے منع کرنے کا مقصد

اعتقادی مسائل میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے جس کا یہاں ترک کردینا من حسن اسلام المرء ترکہ ما لایعنیہ کے قبیل سے ہوگا۔ اس سے دلوں میں فکری امراض پیدا ہوتے ہیں اور کچھ نہیں۔ اگر کوئی شخص میری بات نہ مانے تو خود تجربہ کرکے دیکھ لے۔ متکلمین یا علمِ اصول الدین کے ماہرین کے مابین ہمیشہ جنگ چھڑی رہتی ہے۔ ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تضلیل یا تکفیر کرتا رہتا ہے۔

جو علماء ظواہر نصوص و ظواہر آثار پر کاربند رہتے ہیں، انھیں ان کے مخالفین مجسم، حشوی اور مبتدع کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور جو لوگ تاویل کرتے ہیں، انھیں ان کے مخالفین

عوام کو اس سے روکنا تھا۔ استاذ ابوالقاسم قشیریؒ نے بڑی اچھی بات فرمائی ہے: "علمِ کلام کا انکار صرف دو لوگ کرسکتے ہیں: ایک تو وہ شخص جو جاہل ہو، اور اندھی تقلید کا عادی ہو گیا ہو، اور محققین کے مسلک پر اس کے لیے عمل پیرا رہنا دشوار ہو گیا ہو، اور اہلِ نظر کی ڈگر سے ہٹ چکا ہو۔ ظاہر ہے جو لوگ جس چیز سے ناواقف ہوتے ہیں، وہ اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جب اس علم میں اپنا پیر نہ جما سکے، تو لوگوں کو اپنی طرح گمراہ کرنے کے لیے اس راستے سے انھیں دور کرنے میں لگ گئے۔ اس فن کا انکار کرنے والا دوسرا وہ شخص ہو سکتا ہے جو فاسد عقائد کا حامل ہو، اور اپنے اندر بدعتیں چھپائے ہوئے ہو۔ ایسا شخص عوام کے سامنے اپنا باطل مذہب پھیلانا چاہتا ہے، اور ساتھ ساتھ اپنے رسوا کن عقائد ان کے سامنے مخفی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا شخص اس لیے علم کلام کے ماہرین کی مذمت کرتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ اس کی بدعتوں کو بے نقاب کرنے پر قادر ہیں، اور اس کے بدترین عقائد لوگوں کے سامنے ظاہر کرسکتے ہیں۔ جس شخص کے پاس کھوٹے سکے ہوں گے، ظاہر ہے وہ ایسے لوگوں کو کیسے پسند کرسکتا ہے، جو اس کے سکے کے کھوٹے پن کو سمجھنے پر قادر ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ امام ابن دقیق العیدؒ کے بقول اپنے مخالف کی تکفیر میں سب سے زیادہ جرات مند گروہ حشویہ کا ہے حالانکہ اس سلسلہ میں بہت ہی شدید قسم کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ صفاتِ باری، توحید، رد علی الجہمیہ، علم کلام کی مذمت، اتباعِ سنت اور نقدِ رجال کے موضوع پر لکھی گئی حشویہ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ تکفیر کے میدان میں کافی سرگرم رہتے ہیں، حالانکہ اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے مخالفین کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ (کوثریؒ)

جہمی، معتزلی اور گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اور جو حضرات بعض صفاتِ باری کا اثبات کرتے ہیں، اور بعض مقامات پر تاویل کرتے ہیں انھیں لوگ متناقض العقیدہ کہتے ہیں۔

میری بات مان لو، اپنے آپ کو خرافات سے دور رکھو، محفوظ رہوگے۔ اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ کوئی شخص علمِ کلام اور اس کے متعلقہ علوم جیسے منطق، حکمت، فلسفہ اور متقدمین کے افکار و نظریات اور عقلی موشگافیوں میں کمالِ مہارت حاصل کر سکتا ہے، اور اسی طرح سے کتاب وسنت، اور اصولِ سلف کو بھی ساتھ ساتھ مضبوطی سے تھامے رہ سکتا ہے، اور عقل و نقل کے مابین کامیابی سے تطبیق بھی دے سکتا ہے، اس کے باجود بھی میں نہیں سوچتا کہ وہ ابنِ تیمیہؒ کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ خدا کی قسم ابن تیمیہؒ جیسا مقام حاصل کرنا تو دور کی بات، کوئی شخص ان کے قریب بھی نہیں پہونچ سکتا۔ لیکن اس کے باوجود ابن تیمیہؒ کا انجام کیا ہوا؟ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آخر میں ابن تیمیہؒ کا کیا حشر ہوا تھا۔ ہر جگہ لوگ ان کی تنقیص کرتے تھے۔ اپنے ہی لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مختلف علماء نے موصوف کی تکفیر، تضلیل اور تکذیب شروع کردی تھی۔ علمِ کلام میں داخل ہونے سے پہلے ابنِ تیمیہؒ کے چہرہ پر ایک رونق، نور اور سلف صالح کی جھلک نظر آتی تھی۔ لیکن بعد میں وہی چہرہ تاریک ہوگیا، اس کی رونق ختم ہوگئی، اور لوگ یہ کہتے پھرتے تھے کہ اس کا چہرہ ہی بے نور ہے۔ ابن تیمیہؒ کے دشمنان انھیں دجال، کافر اور کذاب تک کہتے تھے، جب کہ دوسرے سنجیدہ اور عاقل گروہ کے نزدیک ابن تیمیہؒ کی حیثیت ایک مبتدع مگر فاضل وماہر محقق اور مدقق کی تھی، جب کہ ابنِ تیمیہؒ کے چاہنے والے موصوف کو محافظِ دین، محیی السنہ، اور علومِ اسلامیہ کا سب سے بڑا مجدد اور علمبردار سمجھتے تھے۔

لہٰذا آپ حضرات میری بات کان کھول کر سن لو، اور علمِ کلام سے دور رہو۔(۲۷)

---

(۲۷) شیخ صدیق حسن خان قنوجیؒ نے اس عبارت اور اس سے پہلے کی عبارت کو بھی کچھ فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد شیخ قنوجی نے فرمایا ہے: "آپ حضرات شیخ ابن تیمیہؒ کے بارے میں ذہبیؒ کی رائے سے واقف ہیں۔ لہٰذا موجودہ تبصرہ کو خود آپ اپنی عقل سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ اس میں

مناطقہ

منطق کا نفع بہت ہی کم اور اس کے نتائج بہت برے اور نقصانات انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔ اس فن کا تعلق علومِ اسلام سے بالکل نہیں ہے۔ منطق کے کچھ حق اور اچھے پہلو بھی ہیں؛ لیکن یہ پہلو عموماً ذہین طبائع میں فطری طور پر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ رہا مسئلہ منطق کے باطل پہلوؤں کا تو بس اس سے دور رہنے ہی میں فائدہ ہے۔ آپ اپنے مقابل کے ساتھ مناظرہ کرتے کرتے تھک جائیں گے؛ لیکن اس کے باوجود آپ کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجائے گا کہ آپ حق پر ہیں یا آپ کا خصم، اس کی وجہ یہ ہے کہ علمِ منطق کی اصطلاحات

واضح تناقض ہے۔ اللہ ہی لوگوں کے دلوں میں مخفی رازوں سے واقف ہے۔ سابق قنوجیؒ کی اس عبارت کو مجموع الرد الوافر میں ۱۲۶ پر فرج اللہ کردی کے طبع کردہ ایڈیشن میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ قنوجیؒ نے یہ تعلیق القول الجلي میں صفی الدین بخاریؒ کے قول: (يعارضه ما ذكر هو نفسه في زغل العلم) پر بطورِ نوٹ لکھی ہے۔ لیکن اس نسخہ میں زغل العلم محرف ہوکر رجل العلم بن گیا ہے، اور اسی طرح سے حاشیہ کا نمبر بھی غلط جگہ پر لگ گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں متعدد علماء نے جلدبازی میں ابن تیمیہؒ کی مدح سرائی، اور ان کی طرفداری شروع کردی تھی۔ لیکن بعد میں چل کر جب ابن تیمیہؒ اپنے مشہور تفردات کی غلو کی حد تک تشہیر کرنے لگے، تو ان حضرات نے اپنے سابق قول سے رجوع کرلیا، اور پھر اس کے بعد ایک ایک کرکے سارے علماء ابن تیمیہؒ سے علیحدہ ہوگئے جن میں جلال الدین قزوینیؒ، علامہ قونویؒ، اور علامہ جریریؒ وغیرہ جیسے ائمہ شامل ہیں۔ جب ابنِ تیمیہؒ کے ساتھ صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، تو یہ حضرات انجام کر ان سے الگ ہی ہوگئے۔ یہی نہیں؛ بلکہ بعد میں چل کر ذہبیؒ بھی ابن تیمیہؒ سے کسی حد تک منحرف ہوگئے تھے۔ ایک طویل مدت تک کبھی تو ذہبیؒ ابنِ تیمیہؒ کے مخالفین کی شدت کم کرنے میں لگے رہتے اور کبھی ابنِ تیمیہؒ کو خود ان کے فکری شذوذ سے نکالنے کے لیے کوشاں رہتے۔ امام ذہبیؒ کی حیات کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں۔ (کوثریؒ)

انتہائی لچر ہوتی ہیں، اور اس کے مقدمات انتہائی کھوکھلی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ نسال اللہ السلامہ۔

اگر آپ اس فن کو دنیاداری کے لیے پڑھ رہیں نہ کہ دین اور آخرت کے لیے، تو پھر ایسی صورت میں آپ بلاوجہ اپنے آپ کو پریشان کر رہے ہیں، اور خواہ مخواہ اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں اخروی ثواب کی کوئی توقع نہیں ہے۔ بلکہ اگر توبہ نصیب نہیں ہوئی، تو پھر عذابِ خداوندی سے نجات بھی مشکل ہے۔ (۲۸)

---

(۲۸) علم منطق کے بارے میں اپنی جماعت کے لوگوں کے نظریہ کے برخلاف ذہبیؒ نے کسی حد تک انصاف سے تبصرہ کیا ہے۔ ذہبیؒ نے سیوطیؒ کی طرح بالکل اندھادھند تبصرہ نہیں کیا ہے۔ سیوطیؒ نے تو اپنی کتاب شرح عقود الجمان میں منطق کے بارے میں تنقید کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا ہے: (ہم لوگ، یعنی اہل سنت والجماعت کے متبعین، منطق کی گندگی سے اپنی تصانیف کو نجس کرنا نہیں چاہتے۔) انتہائی عجیب بات یہ ہے کہ موفق الدین مقدسیؒ نے جب اصول فقہ کے موضوع پر اپنی کتاب روضۃ الناظر کی تالیف کی، تو اس کتاب میں موصوف نے امام غزالیؒ کی پوری کتاب المستصفی کا نچوڑ شامل کرلیا۔ یہی نہیں؛ بلکہ اس کتاب کی ترتیب اور عبارت تک کو مصنف نے اختیار کرلیا۔ دونوں کتابوں کے باہم موازنہ سے یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوجاتی ہے۔ موفق الدینؒ نے اپنی کتاب میں المستصفی کے منطق پر مشتمل پورے مقدمہ کی تلخیص کرکے اپنی کتاب کا مقدمہ بنالیا۔ اس زمانہ میں الروضۃ کے سارے نسخے اسی مقدمہ کے ساتھ شائع ہوتے تھے۔ جب شہر علث کے موفقؒ کے بعض ہم مذہب حنبلی علماء کو اس کتاب کی اطلاع ملی، تو وہ چراغ پا ہوگئے، اور منطق کو اپنی کتاب کا حصہ بنانے پر موفق پر سخت عتاب کیا۔ اس کے بعد سے جب جب یہ کتاب موفقؒ کی مجلس میں پڑھی جاتی، تو موصوف اس منطقی مقدمہ کو ترک کردیتے۔ اسی لیے آپ کو یہ مقدمہ کسی نسخہ میں نظر آئے گا اور کسی میں نہیں۔ علامہ نجم الدین طوفیؒ اپنی کتاب شرح مختصر الروضۃ ج۱ص۱۰۰-۱۰۱ میں فرماتے ہیں: فتركتُ لاختصارها لأني لا أحقق ذلك العلم، ولا الشيخ أيضا كان يحققه، فلو اختصرتُها لظهر بيان التكليف علينا من الجهتين، فلا يتحقق الانتفاع بها للطالب، ويقطع عليه الوقت، فمن أراد ذلك العلم فعليه بأخذه من مظانه من شيوخه وكتبه (یعنی میں نے اپنے مختصر میں مقدمہ کو شامل نہیں کیا ہے، کیوں کہ مجھے اس فن میں مہارت حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی شیخ موفقؒ اس فن

علماءِ حکمت

کوئی بھی نیک بخت شخص کبھی بھی حکمت وفلسفہ کا مطالعہ نہیں کرنا چاہے گا۔ جو شخص بھی سرخرو ہونا چاہتا ہے، وہ اس فن کی جانب ہرگز راغب نہیں ہو سکتا۔ یہ فن ایک سمت میں ہے اور انبیاء — علیہم السلام — کا لایا ہوا علم[1] دوسری سمت میں۔ حکمت وفلسفہ کے پیچ وخم میں الجھ کر انبیاء کے لائے ہوئے علوم سے غافل ہو کر گمراہ ہونے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جب کہ اس فن سے نابلد لوگ اس طرح کی فکری گمراہیوں سے کافی دور ہوتے ہیں۔

اے خدا مدد فرما۔ جب فلاسفہ پر رد کرنے والے سنی علماء کے ہاتھ حیرت اور تشویش کے سوا کچھ نہ آیا، اور وہ اس کی نحوست سے محفوظ نہ رہے، تو آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کی جن علماء کے خلاف رد لکھا گیا ہے ان کی حالت کیا ہو گی؟

کے ماہر تھے۔ اگر خدانخواستہ میں نے اس منطقی مقدمہ کا بھی اختصار کیا ہوتا، تو دونوں پہلوؤں سے اس پر تکلف کے اثرات نظر آتے، اور پھر طالب علم اس سے صحیح طور پر مستفید نہیں ہو سکتا تھا، اور اس کا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا۔ اسی لیے میری رائے یہ ہے کہ جو شخص علم منطق میں مہارت کا خواہاں ہے، اسے یہ فن اس کے ماہر شیوخ اور اس فن کی مشہور کتابوں سے حاصل کرنی چاہئے۔)
حقیقت تو یہ ہے کہ ایک حق پرست عالم ہی اس طرح کا اعتراف کر سکتا ہے۔ جو شخص اس فن سے نابلد ہوتا ہے، وہ غیر شعوری طور پر تناقض اور خبط کا شکار ہو جاتا ہے، اور عقلی مباحث اور علوم نظریہ میں اہل علم کی نظروں میں ایک مذاق بن جاتا ہے۔ علم منطق واقعی ایسا فن ہے جو فکری غلطی سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو شخص اس علم سے عاری ہوتا ہے، اس کی صلاحیت اہل علم کے یہاں غیر معتبر ہوتی ہے۔ (کوثریؒ)

فلسفہ اور حکمت اور اس فن کے حاملین اور علماء کو جلا دینا چاہیئے یا کم از کم ان کو جلا وطن کر دینا چاہیئے۔ دینِ اسلام اس وقت تک کامل رہا ہے جب تک ان فلسفیانہ کتابوں کی تعریب نہیں کی گئی تھی، اور پھر مسلمانوں نے اس طرح کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اگر ان علوم کو ختم ہی کر دیا جائے، تو واقعی یہ کسی فتحِ مبین سے کم نہیں۔ (۲۹)

ریاضیات کی حکمت میں حق بھی ہوتا ہے جیسے حساب اور ہندسہ کے فنون وغیرہ؛ لیکن اس میں کچھ ایسے علوم بھی ہوتے ہیں جو سراسر باطل ہوتے ہیں جیسے نجومیت اور اس سے ملتے جلتے علوم۔ اس فن کا باطل پہلو کسی بھی شخص کے دین کے لیے مہلک ہے اور ضلال وانحراف کا سامان ہے۔ اس فن کا حق پہلو ایک فن کاری، مہارت اور ہنر ہے جس کے سیکھنے میں نہ ہی اجر ملے گا اور نہ ہی کوئی گناہ۔

طبیعی حکمت میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ تاہم اس کا شمار دینی فنون میں نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ہی اس فن کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی یہ زادِ آخرت بن سکتا ہے۔ یہ فن ایسا ہے جس میں نہ تو کسی قسم کا ثواب ہے اور نہ ہی کوئی عقاب۔ اس فن کا حامل اگر سلیم الاعتقاد، ثقہ اور معتمد ہے تو پھر ان شاء اللہ ایسے شخص کو اس فن کی تعلیم پر ثواب بھی ملے گا۔ خود میں نے اپنے معاصرین میں اس طرح کی ایک جماعت کو دیکھا ہے۔

---

(۲۹) کیا آپ کے پاس اس سلسلہ میں قرآنِ کریم کی کوئی صریح آیت یا رسول اللہ سے کوئی نصِ صریح موجود ہے جو اتنا شدید حکم صادر فرمارہے ہیں؟ خدا کے لیے علماءِ اسلام کو اپنا فریضہ انجام دینے دیں۔ یہ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ کون سا علم مضر ہے اور اس سے اجتناب کرلیں گے اور اسی طرح سے کون سا علم نافع ہے جسے یہ حضرات اپنالیں گے جہاں بھی انھیں ملے۔ حکمت اور فلسفہ کے ماہر مسلم علماء کی وجہ سے اسلامی سماج میں فساد اور خلل ہرگز نہیں آیا ہے؛ بلکہ فساد تو مسلم سماج میں جہالت اور سستی کی بنا پر آیا ہے نہ کہ علم اور عمل کی وجہ سے۔ جی ہاں، جو شخص ان علوم میں مہارت کے ساتھ بد باطن ہوگا، وہ اپنے علم سے اتنا نقصان پہونچا دے گا جتنا ایک جاہل قطعاً نہیں پہونچا سکتا۔ لیکن اس میں گناہ علم کا نہیں ہے؛ بلکہ اصلاح وتربیت اور تہذیبِ نفس کا ہے۔ (اُردو مترجم)

علماءِ فرائض

علم میراث یا علم الفرائض کے ماہرین دراصل عام فقہاء کے زمرہ میں ہی داخل ہیں کیوں کہ علم الفرائض فقہِ اسلامی ہی کا ایک حصہ ہے۔ یہ واقعی ایک خوبصورت فن ہے؛ لیکن نواہ مخواہ کی موشگافیوں سے تضییعِ وقت کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس لیے اس فن میں اعتدال ہی اچھی چیز ہے۔ اس فن کی کتابوں میں کتنے ایسے مسائل ملتے ہیں جو ماضی میں نہ تو کبھی پیش آئے ہیں اور نہ ہی مستقبل میں کبھی پیش آئیں گے۔ (۳۰)

(۳۰) جی ہاں فقہاء کی بعض کتابوں میں ایسے مسائل ملتے ہیں جو ماضی میں نہ تو کبھی پیش آئے ہیں اور نہ ہی مستقبل میں کبھی پیش آئیں گے۔ تاہم فقہاء کی کتابوں میں جو اس طرح کے مفروضہ مسائل پائے جاتے ہیں، اس کا مقصد طلبہ کے ذہنوں میں اصولِ فقہ کے قواعد کی عملی تطبیق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان موشگافیوں سے طلبہ کے اندر فقہی بصیرت اور ذہنی بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور فقہی قواعد وضوابط ذہن میں مستحکم ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس طرح کے مفروضہ مسائل کی تفہیم میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں، غلو کی حد تک ان موشگافیوں میں وقت ضائع کرنا بہر حال مناسب نہیں ہے۔ (انوار)

انشاء پرداز

انشاء پردازی دنیا داروں کا فن ہے۔ علومِ آخرت سے اس فن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو شخص اس فن میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے اسلامی علوم میں قوی مہارت اور براعت کی ضرورت ہے، اور ساتھ ساتھ بھرپور عقل، متانت و سنجیدگی، سرعتِ فہم، غیر معمولی تخیلاتی صلاحیت اور لغت اور نحو کی بصیرت، اور اسی طرح سے معانی، بیان، سیرت وسوانح، اور دیگر ادب کے متعلقہ فنون اور حسنِ اسلوب درکار ہے۔

لیکن ایک انشاء پرداز کا سب سے اہم سرمایہ تقوی، اور ذاتی محاسبہ ہونا چاہئے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک انشاء پرداز ایسا جملہ لکھ دیتا ہے جس سے وہ جہنم میں جا گرتا ہے اور اسے اس کا پتہ تک نہیں چل پاتا ہے۔ اسی طرح سے ایک انشاء پرداز کبھی کبھی کوئی ایسی سطر رقم کر دیتا ہے جس سے پورا ملک تباہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایک ادیب اپنی بلاغت کے زور پر عوام کا خون بہانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اے صاحبِ قلم بلیغ انشاء پرداز، غور کر لے تو اپنی صلاحیت سے کیا کام انجام دے رہا ہے۔ تیرے نبی ﷺ نے بلاغت کی مذمت کی ہے اور فرمایا ہے: إن من البيان لسحرا۔[۳۱] اسی طرح سے رسول اللہ ﷺ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: العی من الایمان۔ اپنی بلاغت اور زورِ بیان کو تو اس وقت تک مکمل نہیں کر سکتا جب تک تو اپنے رب کو راضی نہیں کر لیتا۔ دوسروں کے لیے نصیحت اور ہمدردی کو ہرگز فراموش مت کر۔ اگر تیرے اندر واقعی خدا کا خوف ہے، تو تو سمجھ سکتا ہے

---

(۳۱) ارے جناب اس حدیث میں بلاغت و بیان کی مدح کی گئی ہے نہ کی قدح (کوثریؒ)
کتنی عجیب بات ہے کہ امام ذہبیؒ اس حدیث کو بلاغت و بیان کی مذمت سمجھ رہے ہیں حالانکہ خود سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بلاغت و بیان کی تعریف کی گئی ہے۔ (انوار)

کہ یہی حقیقی فصاحت وبلاغت ہے۔ اور اگر تو تقویٰ سے بھاگنا چاہتا ہے تو کان کھول کر سن لے، تیرا دین وایمان کسی قیمت کا نہیں۔ جو شخص اللہ سے ڈرے گا، وہ اس کے لیے کافی ہو گا، اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنا چاہے گا تو پھر اللہ اس پر کسی شخص کو مسلط کر دے گا۔ تقویٰ اور خدا ترسی واقعی اہلِ خشوع کے لیے نہایت آسان ہے۔

شعراء

شاعری در اصل انشاء پردازی کا ہی ایک حصہ ہے۔ شعر ایک عام کلام کی طرح اگر اچھا ہے ــ جو کہ شاذ ونادر ہی ہوتا ہے ــ تو اسے اچھا کہا جائے گا، اور اگر برا ہے تو اسے برا کہا جائے گا اور زیادہ تر شاعری اسی زمرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ فنِ شاعری کا سب سے اہم سرمایہ کذب، مدح سرائی، مذمت اور ہجو گوئی، تشبیہ، تعریف اور جوانمردی کے کلام میں اسراف ہے۔ سب سے اچھا شعر وہی مانا جاتا ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو۔ اگر شاعر بلیغ، چرب زبان، کذب بیانی میں جرات مند، شعر بازی سے مال ومتاع حاصل کرنے پر مصر، اور دینی اعتبار سے کمزور ہے، تو پھر ایسے لوگوں کو سورہ شعراء میں مذکور تنبیہ اور وعید کو ذہن نشین رکھنا چاہئے۔(۳۲) عموماً قابل شعراء ہجو گوئی سے اپنے آپ کو بچا نہیں پاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شعر گوئی ایک شاعر کو کفر تک پہونچا دیتی ہے۔ نسال اللہ العافیہ۔ اچھے شاعر کی مثال حسان بن ثابتؓ ہیں، اور درمیانے شاعر کی مثال ابن المبارک، اور بد بخت شاعر کی مثال متنبی ہے۔ اسی طرح سے بعض شاعر ابن الحجاج کی طرح سفیہ اور فاسق ہوتے ہیں، اور بعض اہلِ اتحاد کی طرح کافر اور مارق ہوتے ہیں۔ آپ اپنے لیے جو راستہ چاہیں منتخب کرلیں۔ اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔

---

(۳۲) امام ذہبیؒ قرآن کی مشہور آیت: وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ، أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ، وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ۔ الشُّعَرَاءُ ۲۲۴-۲۲۶ کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں۔ (انوار)

حساب داں

علم حساب اور اکاؤنٹنگ یا منشی گیری قبطیوں اور اہلِ فارس کے ایجاد کردہ علوم وفنون میں سے ہے۔یہ فن اسلام میں سے نہیں ہے۔(۳۳) یہ ایک صنعت اور ذریعۂ روزگار ہے جس کو سیکھ

---

(۳۳) ایسا لگتا ہے کہ ذہبیؒ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں إني حفيظ عليم میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے بالکل نظر انداز کر رہے ہیں۔ مفسر ابوالحسن ماوردیؒ وغیرہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حفیظ سے مراد حفيظ للألسن اور علیم سے مراد عليم بالحساب ہے۔(کوثریؒ)

امام کوثریؒ کی مذکورہ تعلیق سے متعلق مندرجہ ذیل باتیں قابلِ غور ہیں:

۱) امام ماوردیؒ کی اس تفسیر کا نام النکت والعیون ہے جسے عموماً تفسير الماوردي کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ کتاب اس وقت سید بن عبدالمقصود بن عبدالرحیم کی تحقیق کے ساتھ چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

۲) امام کوثریؒ نے امام ماوردیؒ کی کتاب سے جو تفسیر نقل کی ہے اس میں قلب وابدال پایا جاتا ہے۔ امام کوثریؒ نے حفيظ للألسن اور عليم بالحساب نقل کیا ہے جب کہ ماوردی کی کتاب میں حفيظ بالكتاب، عليم بالحساب ہے اور تیسرے قول کے مطابق حفيظ بالحساب، عليم بالألسن ہے۔ تاہم دونوں صورتوں میں امام کوثریؒ کا استدلال اپنی جگہ پر قائم ہے، اور دلیل کی قوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ممکن ہے سرعتِ کتابت کی وجہ سے امام کوثریؒ سے یہ وہم ہوا ہو جبکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ امام کوثریؒ کے سامنے النکت والعیون کا جو نسخہ تھا اس میں وہی الفاظ تھے جسے امام کوثریؒ نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

۳) مفسر ابوالحسن ماوردیؒ نے إني حفيظ عليم کی تفسیر کے ذیل میں جو اقوال اپنی تفسیر میں نقل کئے ہیں انھیں بالترتیب نقل کر دینا مناسب ہو گا۔ چاروں اقوال مندرجہ ذیل ہیں: ۱) حفيظ لما استودعتني، عليم بما وليتني، قاله ابن زيد. یعنی امانت کی حفاظت کرنے والا اور ذمہ داریوں کی خبر رکھنے والا۔ یہ قول ابن زید کا ہے۔ ۲) حفيظ بالكتاب، عليم

کر ایک شخص دنیوی مال ومتاع اور خوشحالی حاصل کرتا ہے۔ اس فن میں جو جتنا ہی ماہر ہوتا جاتا ہے، وہ اتنا ہی بڑا چور ہو جاتا ہے۔ لیکن جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہو، اور وہ عدل پرور قضاۃ کے لیے اکاونٹنگ کا کام کرتا ہے، اور یتیموں اور صدقات، اور اوقاف اور مدارس وغیرہ کے مال کا حساب کتاب رکھتا ہے، امانت کی ادائیگی کرتا ہے، اور اس کے دل میں خدا کا خوف رہتا ہے، تو ایسا شخص واقعی لائقِ ستائش ہے، اور اس کو اس کی نیت کا اجر ملے گا۔ ہم نے اس صفت سے متصف ایک معمولی جماعت ہی دیکھی ہے۔ اس کے برعکس ہم نے اس پیشہ کے حاملین کو بکریوں کے لباس میں بھیڑیوں کی طرح درندہ صفت پایا ہے۔ فاسق قسم کے اکاؤنٹنٹ چوری میں یدِ طولی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا انجام پٹائی ہے، اور اسی طرح سے ان کے مال کو ضبط کر لیا جاتا ہے، اور انجام کار ایسا شخص فقر کا شکار ہو جاتا ہے۔

بالحساب، حكاه ابن سراقة، وأنه أول من كتب في القراطيس. یعنی کتاب کی حفاظت کرنے والا اور حساب کا علم رکھنے والا۔ اس قول کو ابن سراقہؒ نے نقل کیا ہے، اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام لکھنے کے لیے کاغذ کا استعمال کرنے والے پہلے شخص ہیں۔ ۳)حفيظ بالحساب، عليم بالألسن، قاله الأشجع عن سفيان. یعنی حساب کی حفاظت کرنے والا، اور زبانوں کا ماہر۔ اس قول کو اشجع نے سفیان سے نقل کیا ہے۔ ۴)حفيظ لما وليتني، قاله قتادة، عليم بسني المجاعة، قاله شيبة الضبي. یعنی ذمہ داریوں کی نگہداشت کرنے والا۔ یہ قتادہؒ کی رائے ہے۔ قحط کے سالوں کا علم رکھنے والا۔ یہ شیبہ ضبّیؒ کا قول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں النکت والعیون ج۳ص۵۱۔

علامی بدر الدین زرکشی شافعیؒ البحر المحيط في أصول الفقه میں ج۶ص۲۰۵ پر فرماتے ہیں: واخْتَلَفَ أَصْحَابُنَا فِي الْمُتَعَلِّق بِالْحِسَابِ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ شَرْطٌ، لِأَنَّ مِنْهَا مَا لَا يُمْكِنُ اسْتِخْرَاجُ الْجَوَابِ مِنْهُ إلَّا بِالْحِسَابِ وَكَذَلِكَ قَالَ الْأُسْتَاذُ أَبُو إِسْحَاقَ: مَعْرِفَةُ أُصُولِ الْفَرَائِضِ وَالْحِسَابِ وَالضَّرْبِ وَالْقِسْمَةِ لَا بُدَّ مِنْهُ (یعنی ہمارے اصحاب نے حساب سے متعلق اختلاف کیا ہے۔ اور صحیح مسلک یہ ہے کہ حساب کا علم (اجتہاد کے لیے) شرط ہے کیوں کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی فقہی مسئلہ کا جواب صرف حساب ہی سے مستنبط کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے استاذ ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں: اصولِ فرائض، حساب، اور ضرب و تقسیم کا علم (مفتی کے لیے) ضروری ہے۔) (انوار)

فنِ شروط

علم الشروط(۳۴) ایک مستحسن شرعی فن ہے۔ جو شخص اس فن میں مہارت حاصل کرلیتا ہے، اور انصاف اور ورع کا التزام کرتا ہے، تو واقعی ایسا شخص دنیا والوں کی نظر میں قابلِ تعریف ہوجاتا ہے اور مرنے کے بعد مرحوم ہوجاتا ہے۔ لیکن جس شخص نے بھی اس فن میں مکاری، حیلہ گری اور چالبازی سے کام لینا شروع کیا تو اس کو ہر حال میں دنیا میں رسوائی ہوگی اور آخرت میں قہرِ خداوندی کا سامنا ہوگا، اور ایسا شخص کبھی سرخرو نہیں ہوسکتا۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ۔ النساء (۷۷) کہ دیجیے دنیوی مال ومتاع بہت کم ہے اور آخرت تقوی کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

واعظین و خطباء

وعظ وارشاد ایسا فن ہے جس کے لیے علم میں پختگی ضروری ہے۔[۳۵] اس فن کا تقاضا ہے کہ واعظ یا خطیب تفسیر کی اچھی معلومات رکھتا ہو، اور اسے صالحین، فقہاء و علماء اور زہاد اور درویشوں کے کافی سارے واقعات یاد ہوں۔ اس فن کے حامل کی سب سے اہم خصوصیت زہد و تقوی ہے۔ اگر تمھیں کوئی ایسا واعظ نظر آئے جس کے اندر دنیا کی محبت سرایت کر چکی ہو، اور وہ دینداری میں کمزور ہو، تو پھر کان کھول کر سن لو اس شخص کے مواعظ اور لیکچر بازیاں کانوں سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ کتنے فصیح اللسان اور بلیغ البیان خطباء اور واعظین دیکھنے میں آتے ہیں جو حاضرین کو رلا دیتے ہیں، اور دورانِ وعظ سامعین کو مسحور کر دیتے ہیں؛ لیکن پھر وہی ہوتا ہے کہ حاضرین وہاں سے جس حال میں آئے تھے اسی حال میں رخصت ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی پر کوئی گہرا اثر نہیں پڑتا ہے۔[۳۶] جس دور میں

---

(۳۵) لیکن افسوس کی بات ہے کہ اکثر خطباء وواعظین علم میں پختہ نہیں ہوتے ہیں۔ عموماً ایسے حضرات کے پاس من گھڑت قصوں اور کہانیوں اور بے سروپا واقعات کا بنڈل ہوتا ہے جس سے یہ سامعین کو مسحور کرتے رہتے ہیں اور اپنے خطابتی پروگراموں کو کامیاب بناتے ہیں۔ خود اس حقیر نے بعض علماء کو دیکھا ہے کہ دورانِ خطابت عوام کو متاثر کرنے کے لیے کوئی حیرت انگیز جھوٹا واقعہ اپنی جانب منسوب کر لیا، یا کسی واقعہ میں غیر معمولی غلو کر دیا جس کی وجہ سے وہ ایک نیا واقعہ بلکہ ایک مکذوب افسانہ میں تبدیل ہو گیا۔ فیاللعجب (انوار)

(۳۶) سبحان اللہ کتنی عجیب بات فرمائی امام ذہبیؒ نے۔ حافظ ذہبیؒ نے یہ تبصرہ اپنے دور کے خطباء اور واعظین کو دیکھ کر فرمایا ہے۔ اگر آج کی حالت آپ دیکھتے تو کیا کہتے۔ آج خطابت ایک مارکیٹ بن چکی ہے اور ایک مستقل پیشہ کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ بہت سے طلبہ مدرسہ کے ٹھوس نصابی دینی علوم کے حصول سے زیادہ تقریر بازی اور خطابت میں دلچسپی لیتے نظر آرہے ہیں کیوں کہ یہ

بھی واعظین حسن بصریؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نقشِ قدم پر چلے ہیں، عوام کو ان سے واقعی بہت فائدہ پہونچا ہے۔

بعد میں چل کر ایک پیشہ بھی بن جاتا ہے۔ اردو کتابوں کی مارکیٹ میں تقریر کی کتابوں کی اشاعت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ مخلص خطباء اور واعظین کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ بہت سے جید الاستعداد علماء جو دینی علوم کے حقیقی ماہرین ہیں وہ دینی اور سماجی مقام نہیں حاصل کرپاتے کیوں کہ ان کے پاس گلا پھاڑ کر جھوٹے واقعات بیان کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں علماء کے خطابت کے میدان میں غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ علماء کی ایک لمبی تعداد کتب بینی اور عربی کی تفسیر وحدیث اور تاریخ کی کتابوں کے مراجعت سے کوسوں دور ہوچکی ہے۔ بس اردو زبان کی خطابت، مواعظ اور اصلاحی خطبات وبیانات وغیرہ کی کتابیں ہی ان کی غذا بن چکی ہیں۔ (انوار)

فہرستِ مراجع

- الأم المؤلف: الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي (المتوفى: 204هـ) الناشر: دار المعرفة - بيروت سنة النشر: 1410هـ/1990م
- البحر المحيط في أصول الفقه، المؤلف: محمد بن بهادر بن عبد الله الزركشي بدر الدين المحقق: عبد القادر عبد الله العاني
- البداية والنهاية للامام الحافظ ابن كثير الدمشقي تحقيق التركي، نشر دار هجر
- تفسير البحر المحيط (ط العلمية) المؤلف: أبو حيان الأندلسي المحقق: عادل أحمد - علي معوض حالة الفهرسة: غير مفهرس الناشر: دار الكتب العلمية سنة النشر: 1413 - 1993
- جمع الجوامع المعروف بالجامع الكبير (ط الأزهر) المؤلف: جلال الدين السيوطي المحقق: مختار إبراهيم الهائج - عبد الحميد محمد ندا - حسن عيسى عبد الظاهر الناشر: الأزهر الشريف - مجمع البحوث الإسلامية
- الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة المؤلف: أحمد بن علي بن محمد بن حجر العسقلاني شهاب الدين الناشر: دائرة المعارف العثمانية
- سنن الترمذي (الجامع الكبير) المؤلف: الترمذي أبو عيسى، المحقق: بشار عواد معروف، الناشر: دار الغرب الإسلامي، سنة النشر: 1996

- سير أعلام النبلاء للإمام، شمس الدين، محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (748 هـ) الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الحادية عشر 1417 هـ - 1996 م أشرف على التحقيق: الشيخ / شعيب الأرنؤوط
- فتح الباري بشرح صحيح البخاري أحمد بن علي بن حجر العسقلاني اعتنى به : أبو قتيبة نظر بن محمد الفريابي دار طيبة الطبعة الأولى 2005 – 1429
- موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم، المؤلف: شبير أحمد العثماني - محمد تقي العثماني، الناشر: دار إحياء التراث العربي
- الفلك المشحون في احوال ابن طولون ط القدسي 1348 هـ
- فيض الباري على صحيح البخاري، أمالي الامام الحافظ الحجة محمد انور شاه الكشميرى، طبعة ديوبند
- فيض القدير شرح الجامع الصغير عبد الرؤوف المناوي
- لسان الميزان للحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني أبو الفضل شهاب الدين، تحقيق: عبد الفتاح أبي غدة الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية، سنة النشر: 1423 – 2002
- شرح مختصر الروضة (ت: التركي)، المؤلف: سليمان بن عبد القوي بن عبد الكريم بن سعيد نجم الدين الطوفي، المحقق: عبد الله بن عبد المحسن التركي، الناشر: مؤسسة الرسالة، سنة النشر: 1407 – 1987
- ميزان الاعتدال للذهبي طبعة مؤسسة الرسالة
- المستدرك على الصحيحين للحاكم بتحقيق مقبل طبعة دار الحرمين بالقاهرة
- مسند الدارمي المعروف بسنن الدارمي المؤلف: عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل بن بهرام بن عبد الصمد الدارمي المحقق: حسين سليم أسد الداراني الناشر: دار المغني للنشر والتوزيع

- المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة المؤلف: محمد بن عبد الرحمن السخاوي شمس الدين المحقق: عبد الله محمد الصديق الغماري - عبد الوهاب عبد اللطيف
- النكت والعيون (تفسير الماوردي)، المؤلف: أبو الحسن الماوردي، المحقق: السيد بن عبد المقصود بن عبد الرحيم، الناشر: دار الكتب العلمية - مؤسسة الكتب الثقافية